مقدمہ امام حسین رضی اللہ عنہ

- واقعہ کربلا صحیح وحسن روایات کی روشنی میں۔
- کردار یزید صحیح روایات کی روشنی میں۔
- نواصب کے دلائل کا محاسبہ۔

تحریر و تحقیق

علی طحاوی

شعبہ نشر و اشاعت

مقدمہ امام حسین رضی اللہ عنہ

تحریر و تحقیق

علی طحاوی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : مقدمہ امام حسین رضی اللہ عنہ

مصنف : علی طحاوی

ناشر :

صفحات : 162

باراوّل: نومبر ۲۰۲۱ء

تعداد : ایک ہزار

قیمت :

فہرست مضامین

- پیش لفظ ——— 6
- کیاامام حسین کو کوفہ جانے سے روکا گیا؟ ——— 11
- سند پر اعتراض ——— 16
- جواب ——— 17
- قاتلین امام حسینؓ ——— 28
- سنان بن انس الکوفی کا کردار ——— 28
- سند کی تحقیق ——— 29
- عمر بن سعد کا کردار ——— 34
- ابن زیاد کا طرزِ عمل ——— 38
- رأس حسین اور یزید ——— 44
- سند کی تحقیق ——— 45
- عدی بن ثابت کے متعلق علماء کے اقوال ——— 49
- سند پر اعتراض ——— 51
- جواب ——— 51
- متن پر اعتراض ——— 55
- جواب ——— 55
- قاتلین سے عدم قصاص ——— 59
- بیعت یزید کی نوعیت ——— 62
- خلیفہ کی تقرری اور سنت رسول اللہ ﷺ ——— 69
- تقرری خلیفہ اور سنت سیدنا ابو بکرؓ ——— 70

- تقرری خلیفہ اور سنت سیدنا عمرؓ ——— 72
- تقرری خلیفہ اور سنت سیدنا علیؓ ——— 75
- بیعت یزید کے لیے امیر معاویہؓ کے اقدامات ——— 77
- حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا موقف ——— 92
- بیعت یزید سے عبداللہ بن زبیرؓ کا اختلاف ——— 99
- صحابہ کرامؓ کی خاموشی کا مقصد ——— 103
- خروج امام حسینؓ ——— 105
- کردارِ یزید ——— 115
- حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں ——— 115
- صحابہ کے اقوال کی روشنی میں ——— 131
- صحابی رسول ابن عباسؓ کا موقف ——— 132
- حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا موقف ——— 138
- موقف امام حسین بن علیؓ ——— 145
- امام ابن زبیرؓ کا موقف ——— 149
- سند کی تحقیق ——— 155
- صحابی رسول معقل بن سنانؓ کا موقف ——— 156
- سند کی تحقیق ——— 137
- حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن عاص کی رائے ——— 161
- سند کی تحقیق ——— 164
- تابعین کرامؒ کا موقف ——— 168
- کیا محمد بن حنفیہؒ سے مدح ثابت ہے؟ ——— 168
- یزید کا امام زین العابدین سے حسن سلوک ——— 170

- اقوال سلف ـــــــ

پیش لفظ

اللہ تعالی نے ہمیں حق کا ساتھ دینے اور عدل کرنے کا حکم دیا ہے تو اس تک پہنچنے کے لیے کماحقہ عقل بھی عطا کی کہ مبادا ہم خروش ظلمت میں بھٹک کر نہ رہ جائیں۔ بعض صاحبِ مصیب اسی ازلی حقیقت کو سمجھ کر تشرف بالمعرفت کی منازل طے کر گئے... اور بعض عاقبت نااندیش غافل رہ کر بھٹک گئے۔ فرمانِ نبی مکرم ﷺ ہے:

مَن أحبَّ للَّهِ وأبغضَ للَّهِ، وأعطى للَّهِ ومنعَ للَّهِ فقدِ استَكْملَ الإيمان[1].

جس نے اللہ کے لیے محبت رکھی اور اللہ کے لیے بغض رکھا اور اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے نہ دیا...اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔

امام طحاویؒ ائمہ اہلِ سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہیں:

ونحب أهل العدل والأمانة ونبغض أهل الجور والخيانة[2].

اور ہم اہلِ عدل وامانت سے محبت رکھتے ہیں اور اہل جور وخیانت سے بغض رکھتے ہیں۔

یعنی محبت اور نفرت کا معیار خداوند متعال کی ذات ہے اور کسی انسان سے محبت اس وجہ سے ہونی چاہیے کہ وہ خدائے لم یزل اور نبی مکرم ﷺ کے ہاں محبوب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اصحاب رسول واہل بیتؓ سے محبت کرتے ہیں، اگر نبی مکرم ﷺ ان سے محبت نہ کرتے

---

[1] سنن ابی داؤد ح ٤٦٨١

[2] متن العقیدۃ الطحاویۃ بتعلیق الألبانی ح ٤٧

تو ہم ان کا تعارف بھی نہیں رکھتے... اور جب یہ نبی مکرم ﷺ کے ہاں محبوب ہیں تو ہمارے لیے بھی ان کی تعظیم کرنا، ان سے محبت کرنا مستوجب ہے۔ اسی لیے اہلِ سنت اوائل سے ہی اصحابِ رسول پر ہونے والے ایک ایک اعتراض کا جواب دیتے آئے ہیں۔ یہی ہمارا جذبہ ہے... اور یہی ہماری مَتاعِ زیست ہے۔ اگرچہ ہم اتنی استعداد تو نہیں رکھتے، لیکن اصحاب رسول و اہل بیت سے محبت کا تقاضا ہے کہ عزمِ صمیم کے ساتھ ان کے دفاع میں قلم اٹھایا جائے۔

گزشتہ کچھ برسوں سے چند کوتاہ فہم اور ناصبیت مائل لوگوں نے واقعہ کربلا کے متعلق شبہات پیدا کرنا شروع کیے اور اپنے مذموم پراپگنڈے کے ذریعے امام حسینؓ کی شہادت کو اتنا متنازعہ بنا دیا کہ ایک عام آدمی جو خود استقراء و تحقیق نہیں کر پاتا... وہ اس معاملے میں بالکل خاموش ہو جاتا ہے یا سرے سے انکار ہی کر دیتا ہے۔ اس حوالے سے چند نامی گرامی شخصیات نے بھی زورِ قلم کے ذریعے لوگوں کی ذہن سازی کرنے کی کوشش کی ہے۔ مقام حیرت ہے کہ نواسہِ رسول کے مقابلے میں ایک غیر صحابی، جابر حکمران کو لا کھڑا کیا گیا... من چاہی تاویلیں گھڑی گئیں... اور یمین و یسار میں انھیں مختلف ذرائع سے پھیلایا دیا گیا۔

گزشتہ چند برسوں میں کئی ایک کتب واقعہِ کربلا کو من گھڑت ثابت کرنے کے لیے لکھی جا چکی ہیں۔ ہر ایک ''محقق'' نے اپنے اعتبار سے اس پر طبع آزمائی کی ہے۔ انہی محققین میں ہندوستان کے اہل حدیث عالم مولانا کفایت اللہ سنابلی بھی ہیں... موصوف نے ایک ''تحقیقی شاہکار'' بنام ''یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ'' پیش کیا، جس کے بعد بہت سے لوگوں نے ان کے تخلیق کردہ مفروضوں کو درست ماننا شروع کر دیا۔ اس سے پہلے

علماے کرام حامیانِ یزید کا تواتر سے رد کر چکے ہیں، لیکن تادمِ تحریر اس کتاب کا تفصیلاً رد نہیں لکھا گیا... یہی بنیادی وجہ ہے جس کے باعث راقم الحروف نے کتابچہ لکھنے کا قصد کیا۔ سنابلی صاحب کی کتاب سے پہلے جتنی بھی کتب یزید کے دفاع میں موجود تھیں، ان سب کا مواد انھوں نے "**یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ**" میں جمع کر دیا ہے، اس لیے میں نے اس کتابچے میں تاریخی طرز عمل اپنانے کی بجاے انہیں کی کتاب کو موضوعِ بحث رکھا ہے اور ایک مقام پر ان کے نظریاتی پیشوا محمود عباسی صاحب اور حکیم فیض عالم صدیقی صاحب کو بھی جواب دیا ہے۔

اس کتابچے میں "واقعہ کربلا" کے حوالے سے سنابلی صاحب کے دلائل کا محاسبہ کیا گیا ہے اور ضمناً یزید کی شخصیت کی مدح و ثنا میں وارد روایات کا بھی تفصیلی جواب دے دیا گیا ہے... ممکن ہے یہ کہا جائے کہ اس کتاب کا رد بہت مختصر ہے تو عرض ہے ہم نے صرف امام حسینؓ کے حوالے سے دلائل پر جواب لکھے ہیں اور اس حوالے سے تمام تر دلائل کا جواب مکمل دیا گیا ہے۔ چوں کہ سنابلی صاحب کی کتاب میں واقعہ حرہ، یزید کے متعلق ضعیف روایات اور حدیث یزید کے حوالے سے خاصی تفصیل ہے جس کا ہماری کتاب کے موضوع سے تعلق نہیں ہے اس لیے اس حصے پر کلام نہیں کیا گیا، ہمارا مقصد امام حسینؓ کے حوالے سے تاریخ کی صحیح تصویر پیش کرنا ہے یزید کی شخصیت سے بہر حال کوئی سروکار نہیں، جس مقام پر ہم نے سنابلی صاحب کے دلائل کا رد بھی کیا تو وہ بھی اسی ضمن میں ہے۔ انصاف کرنے والے قارئین خود فیصلہ کر لیں گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ راقم کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اس سبب میرا شمار محبانِ اہل بیت میں کرے، آمین!

علی طحاوی

پیر، محرم ۱۸ الحرام ۱۴۴۰ھ

بمطابق ۲۴ ستمبر ۲۰۱۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واقعہ کربلا کے حوالے سے اگر روافض نے غلو میں روایات گھڑی ہیں تو ناصبیت مائل حضرات نے اسے سرے سے ہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کچھ لوگوں نے من چاہی تاویلیں پیش کر کے اصل واقعے کو بدلنے کی کوشش کی ہے۔ جن میں صلاح الدین یوسف، محمود عباسی اور سنابلی صاحب سر فہرست ہیں۔ ان شاءاللہ اس کتاب میں ان کے دلائل کا رد کیا جائے گا اور واقعہ کربلا کی صحیح تفصیل دینے کی کوشش کی جائے گی۔ تحریر ہذا کا مقصد کفایت اللہ سنابلی صاحب کی سیدنا حسینؓ کے متعلق پیش کردہ دلائل کا تجزیہ اور اپنے دلائل کا اظہار اور اثبات ہے۔ ان حضرات نے کافی بڑے دعوے کیے ہیں۔ بعض تو یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کو یزید کی شخصیت سے کوئی اختلاف ہی نہیں تھا۔ سنابلی صاحب کہتے ہیں:

> حسینؓ نے بھرے مجمع میں یزید کی بیعت کی خواہش اس لیے ظاہر کی تاکہ یہ بات زیادہ سے زیادہ مشہور ہو جائے اور سب کو معلوم ہو جائے کہ حسینؓ یزید کے مخالف نہیں ہیں اور انہوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے[1]۔

مختصر یہ کہ سنابلی صاحب نے یہاں انتہائی ناانصافی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اوّل تو جس روایت کو انہوں نے پیش فرمایا ہے یہ سخت ضعیف ہے۔ سنابلی صاحب یزید کی بیعت پر تو ضعیف روایت[2] لا کر تساہل کا مظاہرہ کرتے ہیں، لیکن یزید کا سختی سے بیعت لینا جن روایت میں ملتا

---

[1] حادثہ کربلا اور سبائی سازش ص ۲۷

[2] سنابلی صاحب کی مستدل روایت ہشام بن محمد کلبی اور ابو مخنف کی سند سے ہے جو کہ مشہور متروکین ہیں:

ہے وہاں تساہل کے بجائے سختی سے کام لیتے ہیں۔ سبحان اللہ! علامہ سنابلی نے خود اس روایت سے استدلال کیا ہے... جس میں امام حسینؓ نے ابن زیاد کی فوج کے سامنے چند باتیں رکھی تھیں، جن میں سے یہ بات بھی تھی کہ انہیں یزید کے پاس جانے دیا جائے تاکہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں[1]۔ لیکن باقی تفصیل کو عوام کے سامنے پیش نہیں کیا تاکہ اصلیت سامنے نہ آجائے۔اس تفصیل کو ہم آگے واضح کریں گئے۔

کیاامام حسینؓ کو کوفہ جانے سے روکا گیا؟

اس عنوان کے تحت ہم اس قضیے کو حل کریں گئے کہ کیا امام حسینؓ کے موقف سے واقعتا اصحاب رسول کا شدید اختلاف تھا جیسا کہ حامیان یزید تاثر دیتے ہیں تاکہ یزید کا دفاع کر سکیں یا حقیقت اس کے برعکس ہے۔ حامیان یزید کی طرف سے یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ سیدنا حسینؓ کو کوفہ جانے سے روکا گیا تھا اور ان کے اس عمل کو صحابہ نے شدید ناپسند کیا، یوں یہ باور کرایا گیا کہ سیدنا حسینؓ کا یہ عمل بالکل درست نہ تھا۔اس سلسلے میں جابر بن عبداللہؓ،

"ودعاه إِلَى البيعة، فَقَالَ حُسَيْن: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ راجِعُونَ! ورحم اللَّه مُعَاوِيَة، وعظم لك الأجر! أما مَا سألتني من البيعة فإن مثلي لا يعطي بيعته سرا،وَلا أراك تجتزئ بِهَا مني سرا دون أن نظهرها عَلَى رءوس الناس علانية، قَالَ: أجل، قَالَ: فإذا خرجت إِلَى النَّاسِ فدعوتهم إِلَى البيعة دعوتنا مع الناس فكان أمرا واحدا، فَقَالَ لَهُ الْوَلِيد وَكَانَ يحب العافية: فانصرف عَلَى اسم اللَّه حَتَّى تأتينا مع جماعة الناس."(تاریخ الطبری ج ۵،ص ۳۴۰)

[1] حادثہ کربلا اور سبائی سازش ص ۵۵

عبداللہؓ بن جعفر بن ابی طالب، عبداللہ بن مطیعؓ اور ابن زبیرؓ[1] وغیرہ سے روایات بیان کی جاتی ہیں، اکثر ہی ابو مخنف (کذاب) کے طریق سے ہیں یا کچھ بے سند ہیں تو اس اعتبار سے ان تمام حوالہ جات سے استدلال کرنا باطل ہے۔ میرے علم کے مطابق صرف دو اثر سند کے لحاظ سے ثابت ہیں، واللہ اعلم۔

امام طبرانی روایت کرتے ہیں:

حدّثنا أبوبكر، قال: حدّثنا سفيان، قال: حدّثنا ابراهيم بن ميسرة، قال: سمعت طاؤوساً يقول: سمعت ابن عباس يقول: إستشاريني الحسين بن علي في الخروج فقلت: لولا أن يزري ذلك بي أو بك لنشبت يدي في رأسك، فكان الذي ردّ عليّ ان قال: لئن أُقتل بمكان كذا وكذا أحبّ إليّ من أن تنجديني -يعني مكة -، قال ابن عباس: فذلك الذي سلا بنفسي عنه[2]۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "حسینؓ نے مجھ سے کوفہ روانگی کی اجازت طلب کی تو میں نے کہا: "اگر میری اور آپ کی شان کے خلاف نہ ہوتا تو میں آپ کو پکڑ کر رکھتا، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس پر حسینؓ نے کہا: "میں فلاں فلاں مقام پر قتل کر دیا جاؤں یہ میرے نزدیک اس بات سے زیادہ بہتر ہے کہ میری وجہ سے مکہ کی حرمت پامال ہو، ابن عباسؓ کہتے ہیں یہ بات کہہ کر حسینؓ نے مجھے مطمئن کر دیا۔

---

[1] ابن مطیعؓ اور ابن زبیرؓ نے بذات خود یزید کے خلاف خروج کیا تھا۔

[2] المعجم الکبیر للطبرانی ج ۳ ص ۱۹۹؛ المعرفۃ والتاریخ ج ۱ ص ۵۴۱، واسنادہ صحیح

اس روایت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ امام حسینؑ دراصل کوفیوں کی سازشوں کو بے نقاب کرنا چاہتے تھے، جس کا جواب اگلے صفحات میں تفصیل سے دیا جائے گا، سرِ دست حامیان یزید کی مضطرب تاریخ پر نظر کر لینی چاہیے۔ یہ حضرات کبھی کہتے ہیں کہ امام حسینؑ اہل کوفہ کی سازشوں کو جانتے تھے اور یہی بات یزید کو بتانے جا رہے تھے[1]۔ اور چند کا دعویٰ یہ ہے کہ آپؓ خط لکھنے والے کوفیوں کی چال میں آ گئے اور کوفیوں نے آپ کو دھوکہ دے کر قتل کر ڈالا ہے۔ معتدل رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ امام حسینؓ کی شہادت میں بنیادی کردار یزید کے گورنر ابن زیاد اور اس کی فوج ہی تھی ان میں کچھ وہ بھی تھے جنہوں نے خط بھی لکھے جن کا امام حسینؓ کو بلانے میں کوئی بنیادی کردار نہیں تھا لیکن یہ لوگ بظاہر محب اہل بیت جب کہ دراصل نواصب کے کارندے تھے ،امام حسینؓ کا سفر یزیدی حکومت کے خلاف ہی تھا،اس لیے آپؓ نے یزید کے خلاف بیعت کا سلسلہ شروع کیا اور اپنے مشن کو مکمل کرنے کی کوشش کی۔ سنابلی صاحب کا یہ کہنا کہ امام حسینؓ کو کوفیوں کی سازش کا علم تھا حقائق کے خلاف ہے،ابن جریر طبریؒ نقل کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمَّارٍ الرَّازِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ قَالَ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ، أَنَّ الْحُسَيْنَ بْنَ علی ع كَتَبَ إِلَيْهِ أَهْلُ الْكُوفَةِ: إِنَّهُ مَعَكَ مِائَةُ أَلْفٍ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مُسْلِمَ بْنَ عَقِيلٍ[2].

---

[1] واقعہ کربلا اور سبائی سازش ص ۵۴

[2] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۲؛ وسندہ صحیح

کہ حسین بن علیؑ کو اہل کوفہ نے خط لکھا کہ ایک لاکھ آدمی آپ کے ساتھ ہیں، آپ نے مسلم بن عقیلؓ کو ان کی طرف روانہ کیا۔

جب امام حسینؓ یہ جانتے تھے کہ کوفی سازشی ہیں تو ان کی بات مانتے ہوئے مسلم بن عقیلؓ کو کیوں بھیجا؟ اور اگر آپؓ یزید کے پاس ہی جارہے تھے تب بھی مسلم بن عقیلؓ کو ادھر بھیجنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ روایتِ ہذا سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلم بن عقیلؓ کوفہ بیعت لینے کے لیے گئے۔ اگر یزید سے کوئی اختلاف سیدنا حسینؓ کو تھا ہی نہیں، تو پھر اس امیر کے خلاف بیعت لینے کی کوشش کیوں کی گئی؟ سنابلی صاحب کا سارا مفروضہ دلیل کے بغیر ہے اور عقل کے منافی ہے، بل کہ فقط اپنے عوام کو دلاسے دیے گئے ہیں۔ امام حسینؓ کا اہل کوفہ کے خطوط کے جواب میں کوفہ کی طرف جانا اور حضرت مسلم بن عقیلؓ کو یزید کے خلاف بیعت لینے کے لیے بھیجنے کا مقصد صرف یہی سمجھ آتا ہے کہ آپؓ یزید کے خلاف خروج کا ارادہ رکھتے تھے اور یزید کے سیاسی مخالف تھے یا کم سے کم موجودہ حکومت سے متفق نہ تھے اور اس طرز حکومت کو وہ قبول نہ کر سکے، صرف یزید کی شخصیت میں بگاڑ ہی ان کے ہاں قابل اعتراض بات ہوتی تو امت کے عظیم فقیہ ضرور صبر کر جاتے لیکن مقصد بڑا ہو تو سخت فیصلے لینا امت کے سرداروں کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔

تو اب ابن عباسؓ کے مذکورہ اثر اور تاریخ طبری کی اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ امام حسینؓ کے نزدیک خط لکھنے والے کوفی سازشی نہیں تھے اور نہ ہی وہ انھیں اپنے قتل کا سبب گمان کر رہے تھے۔ کیوں کہ اگر حضرت حسینؓ کے نزدیک خط لکھنے والے ہی ان کو قتل کرنے والے تھے تو ادھر مسلم بن عقیلؓ کو بیعت کے لیے کیوں بھیجا؟ اب اس اثر کا مفہوم

یہی ہو گا کہ آپؓ کے نزدیک یزیدی فوج ہی ان کے قتل کے درپے تھی اور اس بات کا انہیں اندازہ تھا جس کا ذکر انہوں نے ابن عباسؓ کے سامنے کر دیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپؓ یہ جانتے تھے کہ وہ شہید ہی کیے جائیں گے، ہر صورت میں چاہے حجاز میں قیام کریں یا خروج کریں۔ امامؒ کا یہ قول اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حکومت کی جانب سے حضرت حسینؓ پر بیعت کے حوالے سے سختی کی جارہی تھی اور اس کی نافرمانی پر انہیں سخت نتائج سامنے کی بھی امید تھی۔ بالفرض یہ مان لیا جائے کہ صحابہ کرامؓ نے منع کیا تھا تو اس بات کا جواب بھی امام حسینؓ نے دیا ہے کہ اگر وہ مکہ میں بھی رہیں گے تب بھی انہیں شہید کر دیا جائے گا چوں کہ امام حسینؓ بیعت کرنے کو تیار نہ تھے۔ امام حسینؓ کی بات دلیل کے بغیر نہیں تھی۔ یہ کہنا کہ امام حسینؓ کو صحابہ کرام کی بات مان لینی چاہیے تھی اور آپ سے غلطی ہوئی جس کے باعث یہ سانحہ پیش آیا، غلط ہے۔ اسی مؤقف کے تردید کے لیے ہم مزید ایک اور روایت پیش کرتے ہیں۔ امام ابن جوزیؒ روایت کرتے ہیں:

أخبرنا ابن ناصر، قال: أنبأنا أبو مُحَمَّد ابن السراج، أنبأنا أبو طاهر مُحَمَّد بن علي بن العلاف، أنبأنا أبو الحسين ابن أخي ميمي حدثنا أبو علي ابن صفوان، حدثنا أبو بكر ابن أبي الدنيا، حدثني مُحَمَّد بن صالح القرشي حدثنا علي بن مُحَمَّد القرشي:عن يونس بن أبي إسحاق قال: لما بلغ أهل الكوفة نزول الحسين بمكة وأنه لم يبايع ليزيد ابن معاوية خرج منهم وفد إليه،وكتب إليه سليمان بن صرد، والمسيب بن نجبة ووجوه أهل الكوفة يدعونه إلى بيعته وخلع يزيد، وقالوا: إنا تركنا

الناس متطلعة أنفسهم إليك، وقد رجونا أن يجمعنا الله بك على الحق وأن ينفي عنهم بك ما هم فيه من الجور، فأنتم أولى بالأمر من يزيد الذي غصب الأمة فيأها وقتل خيرها. فدعا مسلم بن عقيل وقال اشخص إلى الكوفة فإن رأيت منهم اجتماعا فاكتب إلي[1].

یونس بن ابی اسحاقؒ کہتے ہیں: "جب اہل کوفہ کو خبر ملی کہ امام حسینؓ مکہ تشریف لے گئے ہیں اور انہوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کی ہے تو ان کی طرف سے آپ کے پاس وفود آئے۔ اور سیدنا سلیمان بن صردؓ اور مسیب بن نخبہ نے آپؓ کو خط لکھے اور روساء شہر نے یزید کے خلاف کھڑے ہونے اور آپ کو اپنی بیعت لینے کی طرف متوجہ کیا اور کہا: ہم نے لوگوں کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں اور آپ کے منتظر ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالی ہمیں آپ کے ساتھ حق پر جمع فرمائے گا اور آپ کے سبب سے لوگوں کو ظلم و ستم اور جور و جفا سے چھٹکارا دلائے گا جس میں وہ مبتلا ہیں اور آپ یزید کے مقابلے میں امر خلافت کہ زیادہ حق دار ہیں۔ جس نے خلافت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے، خیار امت کو قتل کر دیا ہے چناں چہ آپ (امام حسینؓ) نے مسلم بن عقیلؓ کو بلایا اور فرمایا: آپ کوفہ جائیے اگر آپ ان کی طرف سے اجتماع دیکھیں تو مجھے لکھ دیجیے۔

سند پر اعتراض

[1] الرد علی المتعصب العنید علی المانع من ذم یزید ص ۴۸-۴۹، اسنادہ صحیح

امام یونس بن ابی اسحاق نے اس واقعہ کا ادراک نہیں کیا ہے۔

جواب

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کی نسبت جو اعتراض کیا ہے کہ ان کا خط لکھنا ثابت نہیں ہے تو ہم سند صحیح سے روایت پیش کر چکے ہیں اور یونس بن ابی اسحاق کے متعلق یہ رائے بیان کرنا کہ یونس نے دور نہیں پایا تو یہ اعتراض اس قدر قوی نہیں ہے، چوں کہ یونس بن ابی اسحاق کی تاریخ ولادت پر کوئی نص موجود نہیں ہے، علماء نے ان کے طبقے کا تعین اجتہاداً کیا ہے اس لیے ان کا روایت بیان کرنا "ناممکن" نہیں ہے البتہ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو سلف کا اس پر اعتماد بھی ایک حیثیت رکھتا ہے، مزید سنابلی صاحب کے پاس اس جیسی ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں ہے جس کے ذریعے وہ اتنا ہی ثابت کر لیں کہ خط لکھنے والے کوفی ہی قاتل تھے پوری کتاب میں اس پر انہوں نے ایک بھی دلیل نہیں دی ہے جو اس روایت کی ہی سطح کی ہو۔ تو جب ان کے پاس اپنے مؤقف پر کوئی دلیل نہیں ہے تو خط لکھنے والے کوفیوں کے تعلق سے یہی روایت سب سے قوی معلوم ہوتی ہے۔ اور قرائن اسی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ امام یونس بن ابی اسحاق نے اس واقعہ کا ادراک کیا ہے۔ امام ابن سعد کہتے ہیں:

وكانت له سن عالية[1].

---

[1] طبقات الکبری ط العلمیۃ ح ۲۶۱۰

یعنی یونس بن ابی اسحاق نے دراز عمر پائی تھی مزید آپ کے والد ابی اسحاق سیدنا سلیمان بن صردؓ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ بالفرض یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے اور سیدنا سلیمانؓ بن صرد کا خط لکھنا ثابت نہیں ہے، تو پھر الزام لگانے کا جو طریقہ سنابلی صاحب اور حامیان یزید کا ہے اسی طرز پر خط لکھنے والے کوفیوں پر الزام ثابت کیا جائے اور کسی صحیح سند سے اس کی تفصیل پیش کی جائے۔ اس سے آگے امام حسینؓ کا قاتل کوفیوں کو ٹھہرایا گیا ہے۔ اس پر سنابلی صاحب اور ان کے ہم فکر کے پاس کوئی صریح دلیل نہیں ہے، جب کہ تمام تر دلائل یزید بن معاویہ کی فوج کے خلاف ہی جاتے ہیں۔ یاد رہے اگرچہ قاتلین عراقی کوفی ہی تھے، مگر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ قاتلین وہی سب تھے جنہوں نے خط لکھ کر بلایا تھا تو اس پر سنابلی صاحب کو دلیل دینا ہوگی۔ مزید براں یہ بات بھی ذہن نشین کر لی جائے کہ امام حسینؓ کو خط لکھنے والوں میں صحابی رسول سلیمان بن صردؓ بھی تھے اس لیے اعتراض کرنے سے پہلے نظریہ عدالتِ صحابہ کو ضرور ذہن میں رکھا جائے۔

امام طبریؒ نقل کرتے ہیں:

فَقَدِمَ الْكُوفَةَ، فَنَزَلَ دَارَ هَانِئِ بْنِ عُرْوَةَ، فَاجْتَمَعَ إِلَيْهِ النَّاسُ، فَأُخْبِرَ ابْنُ زِيَادٍ بِذَلِكَ زَادَ الْحُسَيْنُ بْنُ نَصْرٍ فِي حَدِيثِهِ: فَأَرْسَلَ إِلَى هَانِئٍ فَأَتَاهُ، فَقَالَ: أَلَمْ أُوَقِّرْكَ! أَلَمْ أُكْرِمْكَ! أَلَمْ أَفْعَلْ بِكَ! قَالَ: بَلَى،قَالَ: فَما جَزَاءُ ذَلِكَ؟قَالَ: جَزَاؤُهُ أَنْ أَمْنَعَكَ، قَالَ: تَمْنَعُنِي! قَالَ: فَأَخَذَ قَضِيبًا مَكَانَهُ فَضَرَبَهُ بِهِ، وَأَمَرَ فَكُتِفَ ثُمَّ ضَرَبَ عُنُقَهُ، فَبَلَغَ ذَلِكَ مُسْلِمَ بْنَ عَقِيلٍ، فَخَرَجَ وَمَعَهُ نَاسٌ كَثِيرٌ، فَبَلَغَ ابْنَ زِيَادٍ ذَلِكَ، فَأَمَرَ

بِبَابِ الْقَصْرِ فَأُغْلِقَ، وَأَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى: يَا خَيْلَ اللَّهِ ارْكَبِي، فَلا أَحَدٌ يُجِيبُهُ، فَظَنَّ أَنَّهُ فِي مَلإٍ مِنَ النَّاسِ.قَالَ حصين: فَحَدَّثَنِي هلال بن يساف قَالَ: لقيتهم تِلْكَ الليلة فِي الطريق عِنْدَ مسجد الأنصار، فلم يكونوا يمرون في طريق يمينا ولا شمالا الا وذهبت مِنْهُمْ طائفة، الثلاثون والأربعون، ونحو ذَلِكَ قَالَ: فلما بلغ السوق، وَهِيَ ليلة مظلمة، ودخلوا المسجد، قيل لابن زياد: وَاللَّهِ مَا نرى كثير أحد، وَلا نسمع أصوات كثير أحد، فأمر بسقف المسجد فقلع، ثُمَّ أمر بحرادي فِيهَا النيران، فجعلوا ينظرون، فإذا قريب خمسين رجلا.قَالَ: فنزل فصعد الْمِنْبَرَ وَقَالَ لِلنَّاسِ: تميزوا أرباعا أرباعا، فانطلق كل قوم إِلَى رأس ربعهم، فنهض إِلَيْهِم قوم يقاتلونهم، فجل مسلم جراحة ثقيلة، وقتل ناس من أَصْحَابه، وانهزموا، فخرج مسلم فدخل دارا من دور كندة، فَجَاءَ رجل إِلَى مُحَمَّد بن الأشعث وَهُوَ جالس إِلَى ابن زياد، فساره، فَقَالَ لَهُ: إن مسلما فِي دار فلان، فَقَالَ ابن زياد: مَا قَالَ لك؟ قَالَ:إن مسلما فِي دار فلان، قَالَ ابن زياد لرجلين: انطلقا فأتياني بِهِ، فدخلا عَلَيْهِ وَهُوَ عِنْدَ امرأة قَدْ أوقدت لَهُ النار، فهو يغسل عنه الدماء، فقالا لَهُ: انطلق، الأمير يدعوك، فَقَالَ: اعقدا لي عقدا، فقالا: مَا نملك ذاك، فانطلق مَعَهُمَا حَتَّى أتاه فأمر بِهِ فكتف ثُمَّ قَالَ: هيه هيه يا بن خليه– قال الحسين في حديثه: يا بن كذا– جئت لتنزع سلطاني! ثُمَّ أمر بِهِ فضربت عنقه قَالَ حصين: فَحَدَّثَنِي هلال بن يساف أن ابن زياد أمر بأخذ مَا بين واقصة إِلَى طريق الشام

إِلَى طريق الْبَصْرَة، فلا يدعون أحدا يلج وَلا أحدا يخرج، فأقبل الْحُسَيْن وَلا يشعر بشيءحَتَّى لق الأعراب، فسألهم، فَقَالُوا:لا وَاللَّهِ مَا ندري، غير أنا لا نستطيع أن نلج وَلا نخرج،قَالَ: فانطلق يسير نحو طريق الشام نحو يَزِيد، فلقيته الخيول بكربلاء، فنزل يناشدهم اللَّه والإسلام، قَالَ: وَكَانَ بعث إِلَيْهِ عُمَر بن سَعْدٍ وشمر بن ذي الجوشن وحصين ابن نميم، فناشدهم الْحُسَيْن اللَّه والإسلام أن يسيروه إِلَى أَمِير الْمُؤْمِنِينَ، فيضع يده فِي يده، فَقَالُوا: لا، إلا عَلَى حكم ابن زياد، وَكَانَ فيمن بعث إِلَيْهِ الحر بن يَزِيدَ الحنظلي ثُمَّ النهشلي عَلَى خيل، فلما سمع مَا يقول الْحُسَيْن قَالَ لَهُمْ: ألا تقبلون من هَؤُلاءِ مَا يعرضون عَلَيْكُمْ! وَاللَّهِ لو سألكم هَذَا الترك والديلم مَا حل لكم أن تردوه! فأبوا إلا عَلَى حكم ابن زياد، فصرف الحر وجه فرسه، وانطلق إِلَى الْحُسَيْن وأَصْحَابه، فظنوا أنه إنما جَاءَ ليقاتلهم، فلما دنا مِنْهُمْ قلب ترسه وَسَلَّمَ عَلَيْهِم، ثُمَّ كر عَلَى أَصْحَاب ابن زياد فقاتلهم، فقتل مِنْهُمْ رجلين، ثُمَّ قتل رحمة اللَّه عَلَيْهِ وذكر أن زهير بن القين البجلي لقي الْحُسَيْن وَكَانَ حاجا، فأقبل مَعَهُ، وخرج إِلَيْهِ ابن ابى بحريه المرادي ورجلان آخران وعمرو بن الحجاج ومعن السلمي، قَالَ الحصين: وَقَدْ رأيتها[1].

---

[1] تاریخ طبری ج۳ص۲۹۹؛ محقق تاریخ طبری نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔(صحیح تاریخ الطبری ج۴ص۶۶-۶۸)؛سنابلی صاحب کے نزدیک بھی یہ روایت اسنادی اعتبار سے ثابت ہے۔

مسلم کوفہ میں آئے اور ہانی بن عروہ کے گھر اترے۔ مسلم کے پاس لوگ جمع ہونے لگے اور ابن زیاد کو خبر ہو گئی اس نے ہانی کو بلا بھیجا اور کہا: میں نے تم کو انعام نہیں دیا؟ تمہارا اکرام نہیں کیا؟ تمہارا یہ نہیں کیا وہ نہیں کیا؟ ہانی نے کہا: ہاں ایسا کیا! اس پر ابن زیاد نے پوچھا: تو پھر اس کا عوض؟ ہانی نے جواب دیا اس کا عوض یہ ہے کہ میں تم کو بچالوں گا۔ کہنے لگا: تم مجھے بچاؤ گے وہیں عصا اٹھا کر ہانی کو مارنا شروع کر دیا۔ پھر حکم ہوا ان کی مشکیں کس لی جائیں اور پھر گردن ماردی جائے۔ یہ خبر مسلم کو پہنچی تو وہ انبوہِ کثیر کو ساتھ لے کر نکلے اس (ابن زیاد) نے سنا، پھر اس نے حکم دیا کہ محل کا دروازہ بند کر دیا جاے اور حکم دیا اعلان کرنے والے کو پس اعلان ہوا کہ لشکر خدا تیار ہو جاؤ جنگ کے لیے۔ کسی ایک نے بھی جواب نہ دیا، ابن زیاد نے سوچا کہ وہ عوام کے گھیرے میں آگیا۔ حصین[1] کہتے ہیں کہ ہلال بن یساف نے مجھ سے کہا: اسی رات کو انصار کی مسجد کے قریب میں مسلم اور ان کے ساتھیوں سے ملا۔ جہاں بھی دائیں بائیں کوئی رستہ آتا تو تیس تیس چالیس چالیس ان کو چھوڑ دیتے، جب مسلم بازار تک پہنچے اور یہ تاریک رات تھی اور وہ سب مسجد میں داخل ہو گئے تو ابن زیاد سے کہا گیا: ہم تو نہیں دیکھتے زیادہ عوام ہے، نہ ہی زیادہ عوام کا کوئی شور سنتے ہیں۔ پھر ابن زیاد کے حکم سے مسجد کی چھت اکھیڑ دی گئی اور

---

[1] امام ابو زرعہ الدمشقیؒ روایت کرتے ہیں: حدثنا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ الْعَوَّامِ عَنْ حُصَيْنٍ قَالَ: أَدْرَكْتُ ذَاكَ- يعنِي مَقْتَلَ الْحُسَيْنِ. حصینؒ کہتے ہیں: کہ میں نے اس (واقعہ) کا یعنی مقتلِ حسینؓ کا ادراک کیا ہے۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی ج ا ص ۶۲۶، وسند صحیح)

بانس کی جالیوں کو نظرِ آتش کر دیا گیا۔ پھر آگ کی روشنی میں دیکھا گیا کہ کل پچاس کے قریب آدمی ہیں پھر ابن زیاد اترا اور منبر پر بیٹھا اور لوگوں سے کہا: الگ الگ ہو جاؤ، پس لوگ اپنے سرداروں کے پاس اکٹھے ہو گئے پھر وہ مسلم سے لڑنے لگے، مسلم اچھے بھلے زخمی ہو گئے ان کے ساتھیوں میں سے لوگ قتل ہوئے اور کچھ بھاگ گئے، پس مسلم وہاں سے نکلے اور بنی کندہ کے محلے آ گئے۔ ایک شخص محمد بن اشعث زیاد کے پاس آیا اور وہ یعنی ابن اشعث ابن زیاد کے پاس بیٹھا تھا، پھر چپکے سے کہا: مسلم فلاں کے گھر میں ہیں۔ ابن زیاد نے ابن اشعث سے کہا: اس آدمی نے تم سے کیا کہا؟

ابن اشعث نے بتا دیا کہ مسلم فلاں کے گھر میں ہیں۔ ابن زیاد نے مسلم کو لانے کیلئے دو آدمیوں کو بھیجا وہ دونوں مسلم کے پاس گئے، دیکھا وہ ایک ضعیفہ کے پاس ہیں، اس نے ان کے لیے آگ سلگائی ہے تاکہ وہ اپنے بدن سے خون دھوئیں۔ وہ دونوں کہنے لگے چلو تم کو امیر نے بلایا ہے انہوں نے کہا مجھ سے کوئی عہد و پیمان کرو۔ انہوں نے کہا اس کا ان کو اختیار نہیں ہے۔ مسلم ان دونوں کے ساتھ ابن زیاد کے پاس چلے گئے۔ اس نے حکم دیا اور مشکیں کس لی گئیں۔ پھر کہنے لگا: آئے پسر مطلقہ! تو مجھ سے میری حکومت چھیننے آیا تھا؟ اس کے بعد اس نے حکم دیا، ان کی گردن ماردی گئی۔

"ہلال بن یساف رحمہ اللہ کہتے ہیں: عبید اللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ واقصہ، شام اور بصرے کے بیچ پہرہ لگا دیا جائے اور کسی کو بھی آنے جانے سے روک دیا جائے،

چنانچہ حسینؓ ان باتوں سے بے خبر آگے بڑھے... یہاں تک کہ بعض اعرابیوں سے آپ کی ملاقات ہوئی تو آپ نے ان سے پوچھا تو انھوں نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم ہمیں کچھ معلوم نہیں، کیوں کہ ہم نہ وہاں جا سکتے ہیں اور نہ وہاں سے نکل سکتے ہیں۔ پھر حسینؓ شام کے راستے پر یزید بن معاویہ کی طرف چل پڑے، پھر راستے میں گھڑ سواروں نے انہیں کربلا کے مقام پر روک لیا اور وہ رک گئے تو وہ انہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دینے لگے۔ عبید اللہ بن زیاد نے عمر بن سعد بن ابی وقاص، شمر بن ذی الجوشن اور حصین بن نمیر کو ان کی جانب بھیجا تھا۔ حسینؓ نے ان سے اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر کہا: وہ انہیں امیر المومنین[1] کے پاس لے چلیں تاکہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں سب نے کہا: نہیں۔ صرف ابن زیاد کا حکم چلے گا اور جن لوگوں کو ابن زیاد نے بھیجا تھا ان میں حرّ بن یزید بھی ایک رسالہ کے رئیس تھے۔ انھوں نے سیدنا حسین کی بات سنی تو حر نے ان گھڑ سواروں سے کہا: تم ان کی بات قبول کیوں نہیں کرتے جو سیدنا حسین نے تم سے بیان کی ہے۔

اللہ کی قسم وہ تم سے جنگ و جدل نہیں چاہتے تو تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے۔ لیکن وہ ابن زیاد کے حکم پر اڑے رہے، پھر حرّ نے اپنے گھوڑے کا رخ سیدنا حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کی طرف موڑا، ابن زیاد کے لوگ سمجھنے لگے کہ شاید حرّ سیدنا حسینؓ سے قتال کے لیے جا رہے ہیں، پس جب حرّ سیدنا حسینؓ کے

[1] انساب الاشرف للبلاذری میں اسی روایت میں **"امیر المومنین"** کی جگہ **"یزید"** ہے۔ اس حوالے سے تفصیل آئے گی۔

قریب گئے تو انھوں نے احترام سے ان کو سلام کیا، پھر وہ پلٹے اور ابن زیاد کے لوگوں سے قتال شروع کر دیا اور ان میں سے دو بندوں کو قتل کر دیا، پھر حرّ شہید ہو گئے، اللہ ان پر رحمت کرے۔

اس روایت کے متعلق مندرجہ ذیل باتیں عرض ہیں:

- امام حسینؓ یزید کے خلاف بیعت لینے نکلے تھے۔ جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ یزید کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے، چوں کہ اگر یزید اوصاف حمیدہ کا ملک ہوتا تو وہ پھر بھی اس پر توقف کر جاتے۔ لوگ مسلم بن عقیلؓ کے پاس جمع ہوئے تھے، لیکن ابن زیاد کے ظلم کی وجہ سے مغلوب ہو گئے۔ ہانی بن عروہ جو اس وقت ان لوگوں کے امیر تھے، یزید کے خلاف امام حسینؓ کے تحت خروج ہی کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے سنابلی صاحب کا یہ کہنا کہ کوفی سازش کے تحت امام حسینؓ کو قتل کرنا چاہتے تھے، بعید از عقل ہے۔ اور ہانی بن عروہ کے اس موقف کی وجہ سے انہیں بطور سزا قتل کر دیا گیا۔
- مسلم بن عقیلؓ کو قتل کرنے کا حکم ابن زیاد نے ہی دیا تھا، جس پر انہیں شہادت نصیب ہوئی۔ سنابلی صاحب پوری کتاب میں کوفیوں کی سازش پر بات تو کرتے رہے ہیں لیکن مسلم بن عقیلؓ جیسے اہم کردار کے متعلق کوئی لب کشائی نہیں کی۔
- مسلم بن عقیلؒ کی شہادت سے یہ ثابت ہو گیا کہ واقعی یزیدی تسلط ظلم پر قائم تھا۔ اسی کا تذکرہ خطوط میں کیا گیا تھا اور یہ باتیں درست بھی ثابت ہوئیں۔
- روایت کے مطابق ابن زیاد نے کوفہ میں ناکہ بندی کر دی تھی، جس کے سبب اندر یا باہر جانا مشکل تھا۔ اس لیے اگر اہل کوفہ نے سیدنا حسینؓ کی امداد نہ کی، تو اس کی ایک وجہ ابن زیاد کا

یہ حکم بھی تھا۔ گو کہ ان کا کم زوری دکھانا بھی غیر مستحسن ہے لیکن گرفتاریوں اور منظم طریقے سے قطع تعلقی اور بر بریت بھی ایک حقیقیت ہے۔

- امام حسینؓ کے لیے راستہ بند کرنا، ان کی کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دینے کے قصد سے ہی تھا۔ اس طرح ابن زیاد باآسانی سیدنا حسینؓ پر سختی بھی کر سکتا تھا۔ ابن زیاد نے یہ سب معاملات کو سنجیدہ حد تک خراب کرنے کے لیے ہی کیا تھا۔ اس کا نتیجہ شہادتِ حسینؓ کی صورت میں نکلا۔
- سنابلی صاحب نے امام حسین کے "امیر المومنین" کہنے سے تعدیل مراد لی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ لفظ اس روایت میں ثابت نہیں اور نہ ہی یہ کوئی تعدیل ہے۔
- امام حسینؓ کی بیعت پر آمادگی سے مراد سنابلی صاحب نے تعدیل لی ہے۔ امام حسینؓ نے آخر میں بیعت کی طرف رضامندی اس لیے دکھائی تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے کہ یزیدی لشکر کے پاس ایک وجہ بھی باقی نہیں رہتی تھی ان سے قتال کرنے کی... مزید آپ اپنے خاندان کو ظلم سے بچانا چاہتے تھے اور کراہت میں بیعت کرنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ امام حسینؓ یزید کی تعدیل بھی کرتے تھے؟ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ چوں کہ آپ باغی تھے اس لیے شرعاً قتال کیا، تو یہ روایت ان کے رد کے لیے بھی کافی ہے۔
- بطورِ الزامی جواب عرض ہے کہ کراہت میں بیعت تو حضرت سیدنا طلحہؓ نے بھی حضرت علیؓ کی... تو اس سے کیا یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ سیدنا علیؓ سے کلّی طور پر متفق تھے؟ یہ باتیں سنابلی صاحب اور ان کے ہم خیال ہی پیش کرتے ہیں۔ نعیم بن حمادؒ نقل کرتے ہیں:

حدثنا ابن المبارك، عن شعبة، عن سعد بن إبراهيم، عن أبيه، قال: لما بلغ عليا رضى الله عنه أن طلحة يقول: إنما بايعت واللج على قفاي، أرسل ابن عباس إلى أهل المدينة فسألهم عما قال ، فقال أسامة بن زيد: أما اللج على قفاه فلا،ولكن بايع وهو كاره[1].

جب علیؓ کو یہ بات بتائی گئی کہ کہ طلحہؓ کہتے ہیں: "میں نے اس حال میں بیعت کی کہ تلوار میرے سر پر تھی۔ تو علیؓ نے ابن عباسؓ کو مدینہ بھیجا، انہوں نے اہل مدینہ سے اس بابت دریافت کیا تو اسامہ بن زیدؓ نے کہا: "جہاں تک سر پر تلوار ہونے کی بات ہے تو یہ درست نہیں، لیکن انہوں نے کراہت و ناپسندیدگی کے ساتھ بیعت کی ہے۔

اس روایت سے واضح ہوا کہ بیعت کراہت میں ہو سکتی ہے اور بیعت کرنے سے موقف کی تائید ہونا لازم نہیں۔

- روایت کے آخری الفاظ میں صراحت سے موجود ہے کہ حرؒ بن یزید نے ابن زیاد کی فوج سے قتال کیا اور ابن زیاد کے حکم کے تحت امام حسینؓ کی بات تسلیم نہ کی گئی، جب کہ اس بات پر حر بن یزید نے التجاء بھی کی۔ سنابلی صاحب کا ابن زیاد کا دفاع کرنا کہ اس نے حکم نہیں دیا تھا، بالکل غلط ہے۔ مزید جب قتال یزیدی فوج سے ہی ہوا تو خط لکھنے والے کوفی کیسے قاتل ہوئے؟ تو دھوکہ دے کر قتل کرنے والی کہانی دلائل کے خلاف ہے۔

---

[1] الفتن لنعیم بن حماد ج ا ص ۱۵۹؛ المصنف لابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۱۰۷

خلاصہ یہ ہے کہ یزیدی فوج نے امام حسینؓ کو کوفہ جانے سے روکا اور آپ کے ساتھ قتال کیا۔امام حسینؓ کے بھیجے گئے سفیر کا قتل بھی ابن زیاد نے کروایا تھا۔

اس پر سنابلی صاحب کا استدلال بھی دیکھ لیتے ہیں، جناب کہتے ہیں:

۱۔ حسینؓ یزید کی بیعت پر رضامند تھے اور باقاعدہ اسے عملی شکل دینے پر بھی آمادہ تھے۔

۲۔ حسینؓ کا سفر کوفہ جہاد کی نیت سے نہیں تھا، ورنہ وہ کبھی دشمن کے ہاتھ میں ہاتھ دینے پر آمادہ نا ہوتے۔

۳۔ حسینؓ کو یزید بن معاویہ سے ہمدردی کی ہی امید تھی، ورنہ وہ اہل کوفہ کی غداری دیکھ کر یزید کی طرف رخ نہ کرتے۔اس روایت سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ حسینؓ کے اس مطالبے کو عبیداللہ بن زیاد نے پورا نہیں کیا، کیوں کہ اس روایت میں عبیداللہ ابن زیاد کے جواب کا ذکر نہیں ہے[1]۔

جواب

اگر امام حسینؓ نے یزید کی بیعت کرنی تھی اور اس لیے ہی نکلے تھے تو یہ بیعت تو مکہ میں بھی ہو سکتی تھی اس کے لیے مسلم بن عقیلؒ کو کوفہ بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں تھی اور اگر مراد کوفہ والوں کی سازش کی خبر دینی تھی...تو امام حسینؓ نے پہلے کوفہ کی طرف رخ کیوں کیا ؟اور بیعت کے معاملے میں ایسا کونسا اختلاف ختم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے امام حسینؑ نے چھ

[1] یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ۳۴۹

ماہ بعد بیعت کا ارادہ کیا، ان کی تشفی کے لیے ایسا کیا یزید نے کیا تھا اور اس سے پہلے ایسا کونسا اختلاف تھا جسے حل کر دیا گیا؟ اختلاف کرنے والوں کے ہاں طریقہ کار غلط تھا جس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی، یزید کو ابھی تک مکمل کنٹرول بھی حاصل نہ تھا تو ایسی صورت میں یہ کہنا کہ امام حسینؑ جو بیعت سے بچنے کے لیے مقام بدلتے رہے ایک دم بیعت کے لیے تیار ہو گئے فیاللعجب۔

امام حسینؓ نے صلح کی پیش کش کا فیصلہ قتل و غارت کے بعد کیا اور اپنے خاندان کی حفاظت کے لیے یہ قدم اٹھایا تھا... اگرچہ آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ قتل کر دیں گے، جیسا کہ آپ نے ابن عباسؓ سے ذکر کیا تھا لیکن یزیدی فوج کا اس کے بعد بھی آپ سے قتال کرنا اور شہید کرنا دلیل ہے کہ یہ لوگ نواسہ رسول ﷺ کے قتل کے درپے تھے۔ یزید کی طرف جانے کی منشاء نامعلوم ہے، اس لیے ہم اس پر اپنی طرف سے "ممکنات" کا سلسلہ شروع نہیں کرنا چاہتے۔ اس کے بعد سنابلی صاحب نے ابن عبیداللہ بن زیاد کے دفاع کی ناکام کوشش کی ہے اور اس کی بھی مکمل وکالت کی ہے جس کی وکالت پر آج تک ایک سطر نہیں ملتی اسے بھی اس جرم سے بری کرنے کے درپے ہیں جس کا جواب کسی قدر مکمل ہو چکا ہے۔ اس روایت کے من پسند حصے سے استدلال کر کے سنابلی صاحب نے بھی اپنے بزرگوں (نواصب) کی سنت کو ہی پورا کیا ہے۔ جب کہ ہم نے اس روایت کو قارئین کے سامنے مکمل پیش کر دیا ہے تاکہ سنابلی صاحب کی علمی خیانت بھی واضح ہو سکے۔

قاتلین امام حسینؓ

امام حسین کے قاتلین میں بہت سے لوگوں کے نام دیے گئے ہیں، جن کا تعلق حکومتی فوج سے ہی تھا...چوں کہ ماقبل ہم ذکر کر آئے ہیں کہ امام حسینؓ کی جنگ ابن زیاد کے لوگوں سے ہوئی تھی جس کے نتیجے میں حرؒ بن یزید شہید ہوئے تو یہ بات بھی واضح رہے کہ شہید کرنے والا بھی ابن زیاد کی "حکومتی فوج" میں سے تھا۔امام حسینؓ کے قاتلین میں جن کا قتل کرنا ثابت ہے، تو یہ **سنان بن أنس** کوفی ہے۔چناں چہ امام طبرانیؒ نقل کرتے ہیں:

حدثنا مُحَمَّد بن عثمان بن أبي شيبة، ثنا فرات بن محبوب، ثنا أبو بكر بن عياش، حدثني أسلم المنقري، قال: دخلت على الحجاج، فدخل سنان بن أنس قاتل الحسين، فإذا شيخ آدم فيه حناء، طويل الأنف في وجهه برش، فأوقف بحيال الحجاج، فنظر إليه الحجاج، فقال: أنت قتلت الحسين؟ قال:نعم. قال: وكيف صنعت به؟ قال: دعمته بالرمح، وهبرته بالسيف هبرا. فقال له الحجاج أما إنكما لن تجتمعا في دار[1].

اسلم منقری کہتے ہیں: میں حجاج کے ہاں گیا اس کے پاس سنان بن اُنس، جو حضرت حسینؓ کا قاتل تھا، آیا۔وہ گندمی رنگ والا بوڑھا، (اس نے) مہندی لگائی ہوئی تھی اس کے چہرے پر برص تھی (اور) ناک لمبی تھی۔وہ حجاج کے پاس کھڑا ہو گیا، حجاج نے اس کی طرف دیکھا پھر کہا: کیا تو نے حسین کو قتل کیا ہے؟ اس نے کہا:

---

[1] المعجم الكبير للطبراني ح٢٨٢٨ ،وسنده حسن؛السنة الخلال ح٧٥٨،قال محقق عطيه بن عتيق الزهراني: اسناده حسن لان فيه شريك ،صدوق تغير.

ہاں۔ حجاج نے پوچھا: تو یہ کام حضرت حسینؓ کے ساتھ کیسے کیا؟ اس نے جواب دیا: میں نے نیزے سے ان کو مارا اور تلوار کا زور دار وار کیا۔ حجاج نے کہا: یقیناً تم (اور وہ) آخرت میں ایک جگہ جمع نہ ہوں گے۔

اس روایت کے بعد امام ہیثمی کہتے ہیں:

رواه الطبرانی،ورجاله ثقات[1].

سند کی تحقیق

۱: محمد بن عثمان بن ابی شیبہ

یہ مختلف فیہ راوی ہیں، بعض کے نزدیک حسن درجہ کا راوی ہے، ان کے متعلق سلفیوں کے محدث العصر حافظ زبیر علی زئیؒ کی تحقیق میں یہ حسن الحدیث راوی ہے[2]۔

چند کے ہاں یہ راوی قابل احتجاج نہیں ہے، لیکن اس سے ہماری روایت پر اثر نہیں پڑتا... چوں کہ اس کے شواہد بھی موجود ہے۔

۲: فرات بن محبوب کوفی

امام ابن حبانؒ انھیں الثقات میں شمار کیا ہے[1]۔ امام ابو زرعہؒ ان سے روایت بیان کی ہے[2]۔ اور امام ابو زرعہؒ اپنے نزدیک ثقات سے روایت کرتے ہیں۔ امام دار قطنیؒ کہتے ہیں:

---

[1] مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۹۵

[2] ماہنامہ الحدیث حضرو شمارہ ۴۴ ص ۲۷-۲۰

لا بأس به[3].

۳:ابو بکر ابن عیاش

یہ بخاری و مسلم کے راوی ہیں اور جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں۔امام ابن حجرؒ کہتے ہیں:

ثقة عابد[4].

۴:اسلم المنقری

امام ابن حجر عسقلانیؒ انہیں "ثقہ" کہتے ہیں[5]۔مزید اس روایت کا شاہد بھی موجود ہے۔چناں چہ امام خلال کہتے ہیں:

حدّثنا العباس ، حدّثنا الأسود بن عامر ، حدّثنا شريك ، عن ابن عمير ـ يعني عبد الملك ـ قال : قال الحجّاج يوماً : مَن كان له بلاء فليقم , فلنعطه على بلائه فقام رجل فقال : أعطني على بلائي قال : وما بلاؤك ؟قال : قتلت الحسين قال : وكيف قتلته ؟قال : دسرته والله بالرمح دسراً ، وهبرته بالسيف هبراً ، وما أشركت معي في قتله أحد قال له : أما إنك وإيّاه لن تجتمعا في مكان واحد .

---

[1] الثقات ج ۹ ص ۱۳

[2] الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۲ ح ۸۰

[3] العلل ج ۱ ص ۱۸٤

[4] تقریب التھذیب ج ۱ ص ٦۲۳

[5] تقریب التہذیب ج ۱ ص ۱۰۵

وقال له : اخرج . قال : وأحسبه لم يعطه شيئاً. قال : وما بلاؤك ؟[1]

سند کی تحقیق:

۱:عباس الدروی رحمہ اللہ

یہ مشہور ثقہ امام ہیں۔

۲:الاسود بن عامر

امام ابن حجر رحمہ اللہ انہیں "ثقہ" کہتے ہیں[2]۔

۳:شریک بن عبداللہ النخعی رحمہ اللہ

یہ حسن الحدیث راوی ہیں، لیکن آخری عمر ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔

۴:عبدالملک بن عمیر النخعی

امام ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ثقة فصيح عالم[1].

---

[1] السنۃ الخلال ح۷۵۸، قال محقق عطيه بن عتيق الزهرانی: اسناده حسن لان فيه شريك ،صدوق تغير، تاریخ ابن معین روایۃ الدوری ح۲۴۳۶

[2] تقریب ح۵۰۳

اس روایت کے تمام راوی ثقہ و حسن الحدیث ہیں۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؓ کو شہید کرنے والا شخص سنان بن انس الکوفی (ملعون) تھا، جو بعد میں کھلم کھلا اس بات کا اعتراف بھی کرتا رہا، چونکہ حامیان یزید کے نزدیک یہ قتل سازش کے تحت ہوا اور نا معلوم لوگوں کا عمل تھا، اگر خط لکھنے والوں نے سازش سے ہی قتل کیا تھا تو وہ عوام کے سامنے اس طرح ذکر کرتے؟

امام ابن ابی شیبہؒ کہتے ہیں:

حدثنا الفضل بن دكين، حدثنا حنش بن الحارث، قال....وقتل الحسين بن علي سنة إحدى وستين في يوم عاشوراء وقتله سنان بن أنس النخعي الموصلي لعنه الله وجاءبرأسه إلى عبيد الله بن زياد[2].

حنش بن حارث (ثقہ بالاتفاق) کہتے ہیں: حضرت حسین بن علیؓ کو سنان بن اَنس النخعي الموصلي نے ۶۱ ہجری میں قتل کیا۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو اور ان کا سر عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے کر آیا۔

امام دار قطنیؒ کہتے ہیں:

سِنَان بن أنس الملعون قاتل الحُسَين بن علي عليه السَّلام ولعن الله سنانا[3].

---

[1] تقریب ح ۴۲۰۰

[2] المصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۵۱۹ ح ۳۳۹۳۴، وسندہ صحیح

[3] المؤتلف والمختلف للدار قطنی ج ۳ ص ۱۲۰۴

سنان بن انس ملعون امام حسین بن علی علیہ السلام کا قاتل تھا اور اللہ کی سنان پر لعنت ہو۔

عمر بن سعد کا کردار

دوسرا نام عمر بن سعد کا ہے، جس کا یہ قبیح عمل دلائل سے ثابت ہے۔ امام ابو زرعۃ دمشقیؒ کہتے ہیں:

نا سعيد بن سليمان عن عباد بن العوام عن حصين حدثني سعد بن عبيدة قال إنا لمستنقعين في الفرات مع عمر بن سعد إذ أتاه رجل فساره فقال قد بعث إليك ابن زياد جويرة بن بدر التميمي وأمره إن أنت لم تقاتل أن يضرب عنقك قال فخرج فوثب على فرسه ثم دعا بسلاحه وهو على فرسه ثم سار إليهم فقاتلهم حتى قتلهم قال سعد وإني لأنظر إليهم وإنهم لمائة رجل أو قريبا من مائة وفيهم من صلب علي خمسة أو سبعة وعشرة من الهاشميين ورجل من بني سليم حليف لهم ورجل من بني كنانة حليف لهم[1].

ہم عمر بن سعد کے ساتھ فرات میں نہا رہے تھے جب اس کے پاس ایک شخص آیا، اس نے سرگوشی کی کہ ابن زیاد نے تمہاری طرف حویزہ بن بدر التمیمی کو بھیجا اور اسے حکم دیا ہے کہ اگر تو نہ لڑے تو تیری گردن مار دے۔ پس وہ دریا سے نکلا،

[1] تاریخ أبو زرعۃ الدمشقي ج ا ص ٦٢٧ واسنادہ صحیح

گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے ہتھیار منگوائے، ان کی طرف بڑھا اور ان سے جنگ آزما ہوا، یہاں تک کہ ان کو شہید کر دیا۔ سعد بن عبیدہ نے کہا: گویا میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ وہ سو یا سو کے قریب افراد تھے۔ ان میں سے پانچ یا سات سیدنا علیؓ کی اولاد، دس بنو ہاشم میں سے... جب کہ ایک ایک آدمی بنو سلیم اور بنو کنانہ سے ان کا حلیف تھا۔

اس روایت کے تمام راویان کی توثیق بذات خود سنابلی صاحب نے کر رکھی ہے۔ امام حسینؓ سے قتال کا حکم بھی ابن زیاد کا تھا اور اس سے قبل روایت نقل ہو چکی ہے کہ امام حسینؓ کا راستہ روکنے والوں میں عمر بن سعد بھی تھا، جو ابن زیاد کے حکم سے آیا تھا۔ سنابلی صاحب نے جو ابن زیاد کا دفاع کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ اس نے حکم نہیں دیا تھا... تو یہ روایت اس دعوی کو باطل ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

امام ابن ابی حاتمؒ کہتے ہیں:

نا عبد الرحمن أنا أبوبكر بن أبي خيثمة فيما كتب إلى قال : سألت يحيى بن معين ،عن عمر بن سعد أثقة هو ؟، فقال:كيف يكون من قتلالحسين بن علي ثقة[1].

ابن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ میں نے پوچھا: کیا وہ ثقہ ہے؟ انہوں نے کہا: کیسے ثقہ ہو سکتا ہے جب کہ اس نے امام حسینؓ کو شہید کیا۔

---

[1] الجرح والتعدیل ج٦ ص١١١، وسندہ صحیح

امام ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں:

لوگ اس سے بغض اس لیے رکھتے ہیں کہ یہ حسین بن علیؓ کو قتل کرنے والے لشکر کا امیر تھا[1]۔

امام ذہبیؒ کہتے ہیں:

هو في نفسه غير متهم، لكنه باشر قتال الحسين وفعل الافاعيل[2].

یہ اپنی ذات کے اعتبار سے تہمت یافتہ نہیں ہے، لیکن یہ حضرت امام حسینؓ کے ساتھ جنگ کرنے میں شریک ہوا تھا اور اس نے اس میں بھرپور حصہ لیا تھا۔

یہ ابن زیاد کی طرف سے بھیجا گیا تھا، اس روایت سے سنابلی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں کی رائے ردّ ہو جاتی ہے کہ قاتل خط لکھنے والے **"نامعلوم کوفی"** تھے، اگرچہ قاتل کوفی تھے... جیسے عمر بن سعد اور سنان بن انس وغیرہ، لیکن یہ یزید کی فوج میں شامل یا یزدی گورنر کے تابع تھے اور کوفہ میں امام حسینؓ سے محبت کرنے والے اور ان سے بغض رکھنے والے دونوں گروہ موجود تھے۔ یہی ہمارا دعویٰ ہے، ہم کوفیوں یا خط لکھنے والوں کا دفاع نہیں کر رہے بل کہ ہماری رائے میں یہ قتل کے اصل ذمہ دار یزیدی گورنر ابن زیاد کے ماتحت لوگ تھے۔

امام ابواحمد حاکمؒ (حاکم الکبیر) کہتے ہیں:

---

[1] تقریب التھذیب ح ۴۹۰۳

[2] میزان الاعتدال ح ۶۱۲۲

سمعت أبا الحسين الغازي يقول سمعت أبا حفص عمرو بن علي يقول سمعت يحيى بن سعيد يقول حدثنا إسماعيل بن أبي خالد نا العيزا بن حريث عن عمر بن سعد فقال له رجل من بني ضبيعة يقال له موسى يا أبا سعيد هذا قاتل الحسين فسكت فقال عن قاتل الحسين تحدثنا فسكت[1].

عیزار بن حریث نے عمر بن سعد سے روایت بیان کی، اس پر بنو ضبیعۃ کے ایک شخص، جس کا نام موسی تھا، نے کہا: ابو سعید یہ قاتل حسینؓ ہے، اس پر ابو سعید خاموش ہو گئے، پھر موسی نے کہا: آپ ہمیں قاتل حسینؓ سے حدیث بیان کر رہے ہیں، اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

سند کے تمام راویان مشہور ثقہ امام ہیں اور عیزار بن حریث تیسرے طبقے کے ثقہ راوی ہیں... آپ نے واقعہ کربلا کا دور پایا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن سعد بن ابی وقاص کا قاتل ہونا کس قدر مشہور بات تھی، لیکن تعجب ہے ان حضرات پر جو من چاہی تاویلات کرتے ہیں، واقدی اور ابی مخنف سے زیادہ افسانہ ساز تو یہ لوگ ہیں، جو بے سند ہی وہ مفروضے بناتے ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ عیزار بن حریث کا خاموشی اختیار کرنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ بھی عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفی کو قاتل ہی سمجھتے تھے۔

اس موضوع پر ایک اور روایت پیش خدمت ہے۔ امام مسلمؒ کہتے ہیں:

---

[1] الأسامی والکنی للحاکم النیسابوری ج۳ص۲۱۸، واسناده صحيح اخرجه ابن عساكر في تاريخ دمشق ج۱۳ص۲۱۸

حدثنا إسحاق بن إبراهيم ، وعباس بن عبدالعظيم،واللفظ لإسحاق قالعباس:حدثنا،إسحاق:اخبرنا ابوبكرالحنفي ،حدثنا بكير بن مسمار ،حدثني عامر بن سعد ،قال:كان سعد بن ابي وقاص في إبله، فجاءه ابنه عمر، فلما رآه سعد، قال: اعوذ بالله من شر هذا الراكب، فنزل، فقال له: انزلت في إبلك وغنمك وتركت الناس يتنازعون الملك بينهم، فضرب سعد في صدره، فقال اسكت سمعت رسول الله ﷺ، يقول: إن الله يحب العبد التقي الغني الخف[1].

عامر بن سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اپنے اونٹوں میں تھے، اتنے میں ان کا بیٹا عمر آیا، جب سیدنا سعدؓ نے ان کو دیکھا تو کہا: پناہ مانگتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کی اس سوار کے شر سے۔ پھر وہ اترا اور بولا: تم اپنے اونٹوں اور بکریوں میں اترے ہو اور لوگوں کو چھوڑ دیا وہ سلطنت کے لیے جھگڑ رہے ہیں۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اس کے سینہ پر مارا اور کہا: چپ رہ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے: اللہ دوست رکھتا ہے اس بندے کو جو پرہیز گار ہے، مالدار ہے۔ چھپا بیٹھا ہے ایک کونے میں۔

ابن زیاد کا طرزِ عمل

[1] صحیح مسلم ح ۷۴۳۲

شہادت کے بعد اس سے بھی قبیح عمل کیا گیا کہ امام حسینؓ اور باقی شہدا کے جسم مبارک سے ان کا سرِ انور الگ کر کے اسے اپنے سرداروں کے سامنے پیش کیا گیا۔ اگر سازشی کو فی قتل کرتے تو اسے ابن زیاد کے سامنے کیوں کر پیش کیا جاتا؟ یہاں اکثر اعتراض سیدنا علیؓ پر کیا جاتا ہے کہ آپ کے سامنے بھی سیدنا زبیرؓ کا سر پیش کیا گیا تھا، تو اس کا مختصر اجواب یہ ہے کہ سیدنا علیؓ کے سامنے سر پیش کرنا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے، اس قسم کی تمام تر روایات ضعیف ہیں۔ اور ان روایات میں بھی سیدنا علیؓ کی طرف سے قاتل کو جہنم کی وعید سنانا ہی ہے۔

امام ابن عساکرؒ نقل کرتے ہیں:

أخبرنا أبو القاسم بن السمرقندي أنا أبو الحسين بن النقور نا عيسى بن علي إملاء نا أبو عبد الله مُحَمَّد بن مخلد العطار سنة سبع عشرة وثلاثمئة نا أبو حاتم مُحَمَّد بن إدريس الرازي نا يحيى بن مصعب الكلبي نا أبو بكر بن عياش عن عبد الملك بن عمير قال دخلت القصر بالكوفة فإذا رأس الحسين على ترس بين يدي عبيد الله بن زياد وعبيد الله على السرير ثم دخلت القصر بعد ذلك بحين فرأيت رأس عبيد الله بن زياد على ترس بين يدي المختار والمختار على السرير ثم دخلت القصر بعد ذلك بحين فرأيت رأس المختار بين يدي مصعب ومصعب على السرير[1].

---

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵۸ ص ۲۴۵، واسنادہ حسن

عبدالملک بن عمیر کہتے ہیں: میں کوفہ کے محل میں داخل ہوا جب سیدنا حسینؓ کا سر ابن زیاد کے سامنے ڈھال پر پڑا تھا اور عبیداللہ تخت پر بیٹھا تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد پھر میں محل میں داخل ہوا میں نے دیکھا: ابن زیاد کا سر مختار کے سامنے پڑا تھا اور مختار تخت پر بیٹھا تھا اس کے کچھ عرصہ بعد پھر میں محل میں ہوا میں نے دیکھا مختار کا سر معصب کے سامنے پڑا تھا اور مصعب تخت پر بیٹھا تھا۔

یہاں مختار نے ابن زیاد کا اور مختار کا سر حضرت مصعبؒ نے کاٹا ہے اور یہ سب ایک دوسرے کے مخالف تھے تو پھر امام حسینؓ کے سر مبارک کا ابن زیاد کے پاس ہونے کی وہی تشریح بنتی ہے جو مختار کے پاس ابن زیاد کے سر کی ہے۔ اس کے بعد بھی سارا الزام خطوط لکھنے والے نامعلوم کوفیوں کے سر ڈالنا کہاں کی دانش مندی ہے؟ قاتلین حسینؓ کے متعلق سنابلی صاحب نے ابن عمرؓ اور ام سلمہؓ کا قول نقل کیا ہے جس میں امام حسینؓ کی شہادت کا ذمے دار "عراقیوں" کو ٹھہرایا گیا ہے۔ اس سے سنابلی صاحب نے استدلال کیا ہے کہ اس سے مراد خط لکھنے والے نامعلوم کوفی ہیں نہ کہ یزیدی فوج...! حضرت ابن عمرؓ کے قول میں کہیں بھی یہ صراحت موجود نہیں کہ یہ وہی کوفی تھے جنہوں نے خطوط لکھ کر بلایا اور پھر انہیں شہید کیا۔ دراصل کوفہ میں امام حسینؓ کے محبین اور مخالفین دونوں گروہ موجود تھے۔ خطوط لکھنے والی ایک بڑی جماعت مخلص تھی لیکن ان میں منافق صفت لوگ بھی تھے جن کی وفاداری یزید کے ساتھ تھی حضرت ابن عمر کے قول سے مراد وہی لوگ تھے۔ مزید اس قدر تو ہم بات واضح کر آئے ہیں کہ کوفیوں کی طرف سے کمزوری بھی قابل تحسین نہیں ہے لیکن یہ لوگ قاتل نہ تھے جیسا کہ باور کرایا جاتا ہے امام طبریؒ نے واقعہ کربلا کو بسند نقل

کیا ہے، جس سے سنابلی صاحب کے استدلال کی ساری عمارت کو خاک میں ملا دیا ہے۔ مکمل روایت ہم نقل کر چکے ہیں، ذیل میں کچھ حصے دوبارہ ملاحظہ کیجیے:

ہانی نے جواب دیا: "اس کا عوض یہ ہے کہ میں تم کو بچالوں گا۔ کہنے لگا: تم مجھے بچاو گے؟ وہیں عصا اٹھا کر ہانی کو مارنا شروع کر دیا۔ پھر حکم ہوا: ان کی مشکیں کس لی جائیں اور پھر گردن ماری گئی۔ یہ خبر مسلم کو پہنچی تو وہ انبوہ کثیر کو ساتھ کے کر نکلے۔ اس نے سنا پھر اس نے حکم دیا کہ محل کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ ابن زیاد کے حکم سے مسجد کی چھت اکھیڑ دی گئی اور بانس کی جالیوں کو نظر آتش کر دیا گیا پھر آگ کی روشنی میں دیکھا گیا کہ کل پچاس کے قریب آدمی ہیں۔ پھر ابن زیاد اترا اور منبر پر بیٹھا اور لوگوں سے کہا: الگ الگ ہو جاؤ۔ پس لوگ اپنے سرداروں کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ پھر وہ مسلم سے لڑنے لگے، مسلم اچھے بھلے زخمی ہو گئے، ان کے ساتھیوں میں سے لوگ قتل ہوئے۔

ابن زیاد نے کہا: اے پسر مطلقہ تو مجھ سے میری حکومت چھیننے آیا تھا؟ اس کے بعد اس نے حکم دیا ان کی گردن ماری گئی۔

عبید اللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ واقصہ اور شام و بصرے کے بیچ پہرا لگا دیا جائے اور کسی کو بھی آنے جانے سے روک دیا جائے۔ حر نے ان گھڑ سواروں سے کہا: تم ان کی بات قبول کیوں نہیں کرتے؟ جو سیدنا حسین نے تم سے بیان کی ہے، اللہ کی قسم! وہ تم سے جنگ و جدل نہیں چاہتے تو تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے۔ لیکن وہ

ابن زیاد کے حکم پر اڑے رہے.... ابن زیاد کے لوگوں سے قتال شروع کر دیا اور ان میں سے دو بندوں کو قتل کر دیا، پھر حر شہید ہو گئے۔ اللہ ان پر رحمت کرے۔[1]

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ یزید کے ہی ایک گورنر ابن زیاد نے سختی سے کام لیا اور اپنے تمام مخالفین کو قتل کر دیا۔ سنابلی صاحب ہانی بن عروہؒ اور مسلم بن عقیلؒ کے قتل پر ابن زیاد کے دفاع میں کوئی مفروضہ پیش نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا موصوف نے کتاب میں اس پر کلام ہی نہ کیا۔ روایتِ ہذا سے تو اصل مجرموں کے چہرے بے نقاب ہو جاتے ہیں۔

پھر ابن زیاد کے حکم پر دروازے بند کر دیے گئے۔ جس سے ابن زیاد نے کوفیوں کو روکنے کی کوشش کی۔ وہ لوگ خود بھی بزدل تھے لیکن یہ انتظامی چال تھی جس کی وجہ سے رابطہ منقطع کر دیا گیا تھا وجہ یہی سمجھ آتی ہے کہ امام حسین کو معاملات کی خبر نہ ہو سکے۔ حضرت حر بن یزیدؒ نے کہا کہ تمہارے لیے جنگ حلال نہیں۔ یہ گزارش حر بن یزیدؒ نے یزیدی کوفی فوج سے کی تھی اور چوں کہ وہ خود اس کا حصہ تھے تو پہچانتے تھے اپنے لوگوں کو... اس لیے یہ شبہ بھی نہیں رہتا کہ کوفی سازشی گھس آئے تھے۔ اس کے بعد حر بن یزید نے ابن زیاد کی فوج سے قتال کیا اور شہید ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی قاتل یزیدی فوج تھی اور جس قاتل کا نام بسند صحیح ثابت ہے۔ وہ سنان بن انس الکوفی ہے، جو لوگوں کے سامنے علی الاعلان اس بات کا اقرار بھی کرتا تھا، کیا کوئی سازشی کسی کے سامنے اقرار کر سکتا

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۹۹

ہے؟مزید یہ کہ خط لکھنے والوں میں صحابی رسول سلیمان بن صرد ؓ بھی شامل تھے۔امام ابن جوزی کہتے ہیں:

أخبرنا ابن ناصر، قال: أنبأنا أبو مُحَمَّد ابن السراج، أنبأنا أبو طاهر مُحَمَّد بن علي بن العلاف، أنبأنا أبو الحسين ابن أخي ميمي حدثنا أبو علي ابن صفوان، حدثنا أبو بكر ابن أبي الدنيا، حدثني مُحَمَّد بن صالح القرشي حدثنا علي بن مُحَمَّد القرشي:عن يونس بن أبي إسحاق قال: لما بلغ أهل الكوفة نزول الحسين بمكة وأنه لم يبايع ليزيد ابن معاوية خرج منهم وفد إليه،وكتب إليه سليمان بن صرد، والمسيب بن نجبة[1].

یونس بن ابی اسحاقؒ کہتے ہیں: جب اہل کوفہ کو خبر ملی کہ امام حسین مکہ تشریف لے گئے ہیں اور انہوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کی ہے تو ان کی طرف سے آپ کے پاس وفود آئے اور سلیمان بن صرد اور مسیب بن نخبہ نے آپ کو خط لکھے۔

عدالتِ صحابہ کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے سوچا جاے کہ کیا کسی صحابی کی طرف قتلِ حسینؓ جیسے سنگین الزام کی نسبت... وہ بھی محض قیاس آرائیوں کے سبب جائز ہے؟اگر نہیں، تو پھر یزیدی فوج کے ہی، قصور کو مان لینا چاہیے۔اس کے بعد سنابلی صاحب نے اولادِ حسین کا نظریہ "منقطع" سند سے پیش کیا ہے۔ان کے مطابق امام ذہبیؒ نے روایات امام مدائنیؒ کی کتاب سے نقل کی ہیں، مگر اس پر وہ صرف اپنے من پسند قرائن ہی پیش کر سکے... کوئی قابل قبول دلیل نہیں دی۔

---

[1] الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید ص ٤٧، اسنادہ صحیح

رائس حسین اور یزید

سنابلی صاحب نے چوں کہ ضعیف سے ضعیف روایات سے بھی یزید کا کردار چھپانے کی کوشش کی ہے تو ہم یزید کا کردار امام حسین کی شہادت پر کیا تھا... صحیح و حسن سند سے واضح کرتے چلیں۔امام ابن جوزیؒ نقل کرتے ہیں:

قال ابن أبي الدنيا: وحدثني سلمة بن شبيب قال: حدثني الحميدي عن سفيان، قال: سمعت سالم بن أبي حفصة يقول:قال الحسن: جعل يزيد بن معاوية يطعن بالقضيب موضع في رسول الله صلى الله عليه وسلم وا ذلاه[1].

امام حسن بصری کہتے ہیں: "یزید بن معاویہ نے (امام حسینؓ) چہرہ انور پر، جہاں رسول اکرم ﷺ اپنا چہرہ مبارک رکھتے تھے، چھڑی سے مارنا شروع کیا اور توہین کرنے لگا۔

اس روایت کے مخالف مفہوم میں مرویات بھی موجود ہیں کہ یزید نے اہل بیت کا انعام و اکرام کیا، اگر ان معاملات کو بھی تسلیم کیا جائے تو اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حکم عبید اللہ بن زیاد کی طرف سے تھا، لیکن عورتوں کے ساتھ بے حرمتی ابن زیاد سے بھی ثابت نہیں، اور حالات کو بغور دیکھا جائے تو یہی بات سمجھ آتی ہے کہ یہ انعام واکرام بھی محض دکھاوا تھا

[1] الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید ص ۵۸، واسناد حسن

چوں کہ عملا یزید سے ایسا کوئی اقدام نظر نہیں آتا جس کے باعث اسے بری الذمہ قرار دیا جائے بل کہ وہ تو اہل مدینہ کے ساتھ ظلم کرنے سے بھی پیچھے نہ رہا۔امام ابن صلاح کہتے ہیں:

لم يَصح عندنَا أَنه أَمر بقتْله رَضِي الله عَنهُ وَالْمَحْفُوظ أَن الْآمِر بقتاله المفضي إِلَى قَتله كرمه الله إِنَّمَا هُوَ عبيد الله بن زِيَاد وَالِي الْعرَاق[1].

ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں کہ یزید نے حضرت حسین کے قتل کا حکم دیا تھا۔ثابت شدہ بات یہ ہے کہ حسین سے اس جنگ کا حکم جو حضرت حسین کی شہادت کا سبب بنی، عبید اللہ بن زیاد حاکم عراق نے دیا تھا۔

سند کی تحقیق

۱: ابن ابی الدنیاؒ

یہ اہل سنت کے مشہور ثقہ امام ہیں۔

۲: سلمہ بن شبیبؒ

امام ابن حجرؒ انہیں ثقہ کہتے ہیں[2]۔ان پر کسی قسم کی جرح موجود نہیں ہے۔

۳: حمیدیؒ

---

[1] فتاوی لابن صلاح ج ا ص ۲۱۶

[2] تقریب التہذیب ج ا ص ۲۴۷

یہ اہل سنت کے مشہور امام ہیں اور امام بخاریؒ کے شیخ ہیں۔ اور ان پر کسی قسم کی جرح نہیں ہے روایت حدیث کے حوالے سے۔

۴: سفیان ثوریؒ

یہ بھی مشہور امام اہل سنت ہیں۔

۵: سالم بن ابی حفصہ

ان پر اکثر جروحات مذہب کی بناپر کی گئیں جب کہ یہ صدوق راوی ہیں۔

• امام ابن معینؒ کہتے ہیں:

قلت فسالم بن أبي حفصة فقال ثقة[1] .

• امام عجلیؒ کہتے ہیں:

سالم بن أبي حفصة كوفي ثقة[2].

• امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں:

ما أظن به بأسا في الحديث وهو قليل الحديث[3].

• امام ابن عدیؒ کہتے ہیں:

---

[1] تاریخ ابن معین روایہ الدارمی ج ۱ ص ۱۲۱؛ الجرح والتعدیل ج ٤ ص ۱۸۰ واسنادہ صحیح

[2] الثقات ط الباز ج ۱ ص ۱۷٤

[3] الجرح والتعدیل ج ٤ ص ۱۸۰، وسندہ صحیح

فأما أحاديثه فأرجو أنه لا بأس به[1].

• امام حاکمؒ نے ان کی روایت پر صحیح کا حکم لگایا ہے:

هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه[2].

• سلفیوں کے محدث العصر علامہ البانیؒ صاحب کی تحقیق میں بھی یہ راوی ثقہ ہے۔

سالم بن أبي حفصة المتقدمة – وهو صدوق في الحديث – ترفع الحديث إلى مرتبة الصحيح[3].

سالم بن ابی حفصہ پر زیادہ تر جروحات مذہب کی بنا پر ہیں، جب کہ جمہور محدثین کے نزدیک سالم ثقہ فی الحدیث اور صدوق ہیں۔ سالم پر جروحات مبہم اور جمہور محدثین کی تعدیل کے مخالف ہیں۔

اس حوالے سے علماء کے مختلف مذاہب ہیں:

۱۔ بدعتی راوی کی ہر روایت قبول ہے۔

۲۔ بدعتی راوی کی ہر روایت مردود ہے۔

۳۔ داعی راوی کی روایت مردود ہے۔

۴۔ داعی راوی کی وہ روایت جو اس کی بدعت کو تقویت دے مردود ہے۔

---

[1] الکامل ابن عدی ج ٤ ص ٣٧٤

[2] المستدرک ج ٤ ص ١٨٧

[3] السلسلۃ الصحیحۃ ج ٥ ص ٤٥٦

ہماری ناقص رائے کے مطابق بدعتی راوی(بدعت مفسقہ کا مرتکب) کی روایت وہی رد ہوگی، جس کے متعلق قرائن ملتے ہوں ورنہ اس کی ہر روایت لی جائے گی جیسا کہ بعض آئمہ کا مذہب ہے۔چاہے اس کی روایت بدعت کی طرف اشارہ کرے یا نہ کرے مزید چوتھے مسلک میں خاصی تفصیل ہے اور یہ قاعدہ کا اطلاق قرائن کے ساتھ مقبول ہے؛ بعض اوقات روایات بالمعنی ہونے کے باعث صرف معنی کا انکار ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی امکان ہے کہ راوی تاریخی روایت میں تفصیل بھی چھپالے جس کی وجہ سے مضمون واضح نہ ہوسکے یا پھر ادراج کرے۔الغرض مطلقا روایت رد نہیں کی جاسکتی بل کہ کسی مضبوط دلیل یا قرینہ کی بنیاد پر ہی ثقہ وصدوق بدعتی راوی کی روایت کو رد کیا جاسکتا ہے۔مثال کے طور پر امام مسلمؒ نے ایک روایت منقبت علیؓ میں نقل کی ہے، جس کا بنیادی راوی عدی بن ثابت ہے اور عدی بن ثابت کے علاوہ اسے کوئی نقل نہیں کرتا تو کیا یہ فضیلت علیؓ ضعیف تسلیم کی جائے گی اسی اصول کے تحت؟ روایت ملاحظہ کیجیے،امام مسلم کہتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ الْأَعْمَشِ ح وحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَاللَّفْظُ لَهُ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ زِرٍّ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ إِنَّهُ لَعَهْدُ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيَّ أَنْ لَا يُحِبَّنِي إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضَنِي إِلَّا مُنَافِقٌ.

ابو بکر بن ابی شیبہ وکیع، ابو معاویہ، اعمش ویحیی بن یحیی، ابو معاویہ، اعمش، عدی بن ثابت، زرؒ فرماتے ہیں: "حضرت علیؓ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو پھاڑا اور جس نے جان داروں کو پیدا کیا... رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے

عہد کیا تھا کہ مجھ سے مومن ہی محبت کرے گا اور مجھ سے بغض منافق ہی رکھے گا[1]۔

اس روایت کی معتبر متابعت ہمیں نہ مل سکی اور اس روایت کا بنیادی راوی عدی بن ثابت غالی شیعہ ہے

عدی بن ثابت کے متعلق علماء کے اقوال

• امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں:

قال عبد الله بن أحمد: قال أبي: عدي بن ثابت، ثقة، إلا أنه كان يتشيع[2].

• امام یعقوب فسویؒ کہتے ہیں:

شیعی[3]

• امام دار قطنیؒ کہتے ہیں:

إلا أنه كان رافضيا غاليا فيه[4].

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۴ ح ۱۴۸

[2] العلل ح ۳۲۳۳

[3] المعرفۃ والتاریخ ج ۳ ص ۱۳

[4] سوالات السلمی ح ۲۲۳

چناں چہ عدی بن ثابت ثقہ ہونے کے ساتھ ساتھ غالی رافضی شیعہ بھی تھا، تو اگر سالم کی روایت اس اصول سے رد کرنی ہے تو پہلے مسلم کی مرفوع روایت کا انکار کرنا ہوگا۔مزید سالم سے منقبت شیخین پر روایات بھی ثابت ہیں جس سے ان کا صادق اور مأمون ہونا ثابت ہوتا ہے۔امام دار قطنیؒ کہتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَبُو ذَرٍّ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ قَالَ: نَا عَلِيُّ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: نَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ , عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي حَفْصَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ وَجَعْفَرًا، عَنْ أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَقَالَا لِي: تَوَلَّهُمَا وَابْرَأْ مِنْ عَدُوِّهِمَا، وَإِنَّهُمَا كَانَا إِمَامَيْ هُدًى[1].

سالم بن ابی حفصہ کا بیان ہے: میں نے سیدنا امام باقرؒ اور امام جعفرؒ بن محمد سے ابو بکرؓ و عمرؓ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اے سالم ان سے محبت رکھ اور ان کے دشمن سے کنارہ کش ہو جا، یقیناوہ دونوں ہدایت کے امام تھے۔

امام ذہبیؒ کہتے ہیں:

كان سالم فيه تشيع ظاهر،ومع هذا فيبث هذا القول الحق وإنمايعرف الفضل لأهلالفضل ذو الفضل[2].

---

[1] فضائل الصحابة للدارقطني ح۲۸ط:مكتبة الغرباء الاثرية،قال محقق محمد بن خليفة الرباح:اسناده حسن

[2] سیر اعلام النبلاء ج۴ ص۴۰۲

سالم میں واضح شیعیت پائی جاتی تھی، اس کے باوجود وہ اس حق بات کو بیان کرتا تھا ، کیوں کہ صاحب فضل ہی اہل فضل کی قدر جانتے ہیں۔

سالم بن حفصہ فی نفسہ صدوق راوی ہے اس کی روایت کو رد کرنے کے لیے کوئی دلیل درکار ہے۔ سالم بن حفصہ سے شیخین کی فضیلت میں وارد روایات نقل کرنا ثابت ہیں۔

۶: حسن بصریؒ

یہ بھی اہل سنت کے مشہور ثقہ امام وفقیہ ہیں۔

سند پر اعتراض

اس روایت پر سنابلی صاحب کے اعتراض درج ذیل ہیں:

۱: مسلمہ بن شبیب کا بھی کوئی اتا پتا نہیں ہے۔

۲: سالم بن ابی حفصہ غالی قسم کا رافضی تھا[1]۔

جواب

سنابلی صاحب نے امام ابن کثیرؒ سے یہ روایت نقل کی ہے، اور ابن کثیرؒ سے نام لکھنے میں خطا ہوئی ہے... راوی کا اصل نام سلمہ بن شبیب ہے اور یہ امام ابن ابی الدنیا کے استاد ہیں، مزید یہ کہ ابن الجوزیؒ کی ابن ابی الدنیا تک سند صحیح ہے، اس لیے یہاں یہی راجح ہے۔

---

[1] یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ۴۹۱

سالم کو شیعہ کہنے کے باوجود محدثین نے ثقہ کہا ہے اور امام ابن معین، احمد بن حنبل اور ابن عدی نے اس کے شیعہ ہونے کی گواہی دینے کے بعد ہی ثقہ یا لا بأس بہ کہا ہے، جس سے واضح ہے کہ ان ناقدین کے نزدیک سالم کے شیعہ ہونے سے اس کی روایات پر فرق نہیں پڑتا۔ مزید یہ کہ روایت کسی صحابی کے خلاف نہیں ہے....بل کہ یزید کے خلاف ہے جو خود صحابہ کا گستاخ تھا، اہل تسنن شروع سے ہی یزید کے متعلق سخت موقف رکھتے تھے۔ اس لیے سالم کی طرف شیعت کی نسبت کر کے روایت رد کرنا باعث تعجب ہے۔ سالم کے متعلق یہی ملتا ہے کہ وہ سیدنا علیؓ کی فضیلت کا شیدائی تھا، لیکن اس کے باوجود ایک بھی منکر یا شاذ روایت سالم سے فضائل علیؓ میں موجود ہے نہ ہی اصحاب رسول کی تنقیص میں...! جب سالم سے فضائل علیؓ میں منکرات بیان کرنا بھی ثابت نہیں تو پھر یزید کے متعلق روایت گھڑنے کا کوئی قرینہ پیش کرنا ہوگا۔ غلو کہہ کر جواب دینا کافی نہیں ہے جب کہ سالم سے ایسی روایات ثابت ہیں جس سے شیخین کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، یہ یاد رکھیں کہ جمہور محدثین نے سالم کی شیعت کی طرف مائل ہونے کی گواہی دینے کے بعد ہی کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور وہ ثقہ ہے۔ مزید امام ابن جوزیؒ بھی یزید کے سخت خلاف تھے حامیان یزید کو تو سالم کی جگہ ابن جوزیؒ کی روایت ہی یزید سے تعصب کی وجہ سے رد کر دینی چاہیے!

اس سند پر ممکنہ اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ حسن بصریؒ کا شام جانا ثابت نہیں ہے اور اس قسم کے تمام اعتراضات کا یہی جواب ہے کہ محدثین سے اس دعوی پر گواہی پیش کی جائے۔ مزید امام حسن بصریؒ اسی دور کے ہیں اور ان کا یہ واقعہ بیان کرنا معتبر ہے، جب تک کہ رد میں قوی دلیل پیش نہ کر دی جائے اور اگر ان کے کثیر ارسال کا اعتراض ہو تو ارسال ایسے واسطے

سے ہوتا ہے جس سے زمانہ نہیں ملتا اور اگر ارسال خفی کا دعویٰ ہے تو اس کے لیے دلیل پیش کرنا مدعی کے ذمے ہے۔ خود سنابلی صاحب ایک روایت پر جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

ابو قلابہ کی انہی روایت پر ارسال کا حکم لگے گا جو اپنے غیر معاصر سے نقل کریں، یا ایسے معاصر سے نقل کریں جن سے ائمہ نے ان کے نہ سننے کی صراحت کر دی ہے[1]۔

مزید امام حسن بصریؒ کسی شیخ سے روایت نہیں بیان کر رہے بل کہ اپنے آنکھوں دیکھا واقعہ ذکر کر رہے ہیں اس لیے تدلیس کی غیر متعلق بحث کی بھی کوئی وقعت نہیں۔ نہ ہی امام حسن بصری کثیر التدلیس راوی ہیں نہ ہی انقطاع پر کوئی قرینہ موجود ہے۔ شیخ ابراہیم بن عبداللہ اللحم رقم طراز ہیں:

والقاعدة في جميع ما تقدم أن كل صيغة تبين أن الراوي قصد بها الرواية عن الشخص ، أو من حضر قصة،سواء كان من ظاهر الصيغة أو عرف ذالك بقرينة في المتن فإنه يبحث في الاتصال بينهما، هل يثبت أولا؟ وكل صيغةتبين أن الراوي قصد بها حكاية قصد الشخص وليس الرواية عنه– سواء عرف ذالك من ظاهر لفظ الصيغة،أو من متن الحديث، أو من طريق الأخري–فإنه لا يبحث في اتصال الإسناد وانقطاعه بين الراوي وبين صاحب القصة، هل سمع منه أو لا؟،لأنه تبين أنه لم يرد الرواية عنه ، وإنما يكون النظر في حاكي القصة هل

[1] ماہنامہ اہل سنہ شمارہ ۹۶ ص ۲۳

زمانها أو لا؟ فإن لم يكن أدرك زمانها فالإسناد منقطع ابتداء،وإن كان أدرك زمانها ويمكن حضورها ومشاهدتها فيبحث في الإتصال الإسناد[1]

ہر وہ صیغہ جس سے معلوم ہو کہ راوی اس صیغے سے کسی شخص کے واقعے کی حکایت کر رہا ہے اس سے روایت نہیں کر رہا۔خواہ وہ صیغے کے ظاہری لفظ سے معلوم ہو جائے یا متن حدیث سے یا دوسری اسانید سے۔تب راوی اور صاحب قصہ کے مابین اتصال سند اور انقطاع سند پر بحث نہیں کی جاے گیٔ کہ اس سے سماع کیا ہے یا نہیں؟کیوں کہ وہ صیغہ بتلا رہا ہے کہ اس نے اس سے روایت کا ارادہ نہیں کیا۔صرف واقعہ بیان کرنے والے کو دیکھا جائے گا کہ اس نے اس واقعہ کا زمانہ پایا ہے یا نہیں؟اگر اس نے واقعہ کا زمانہ نہیں پایا تو سند شروع سے منقطع ہو گی۔اگر اس نے اس واقعہ کا زمانہ پایا۔اس کے لیے اس میں حاضر ہونا اور مشاہدہ کرنا ممکن ہو تو(باقی)سند کے اتصال پر بحث کی جائے گی۔

اس روایت سے واضح ہو گیا کہ یہ ابی مخنف اور واقدی کی اختراع نہیں ہے،بل کہ امام حسن بصریؒ نے بھی اس کی گواہی دی ہے اور ہمارے اسلاف کے ہاں یہی تاریخ مسلم ہے، جن لوگوں کو ابن جوزی و طبری سے ناراضی ہے تو انہیں چاہیے کہ ان پر رافضیت کے الزام لگانے کی بجاے ان کے اصل ماخذ بھی ضرور دیکھیں،اور یہ تاریخ واقدی اور ابی مخنف سے

---

[1] الاتصال والانقطاع ص ٤١-٤٢

پہلے امام حسنؒ بصری نے بیان کر رکھی ہے، اس لیے اپنے موّقف کے مخالف تاریخ کا ذمہ دار ان دونوں کو ٹھہرانا... اپنی بات کو بے وزن کرنے کے مترادف ہے۔

متن پر اعتراض

۱: ابن تیمیہؒ نے اس واقعہ کا انکار کیا ہے۔

۲: یہ روایت صحیح بخاری کے خلاف ہے۔

جواب

۱: اگرچہ علامہ ابن تیمیہ کا فقط ردّ کر دینا کافی نہیں ہے، مگر ہم پھر بھی علامہ ابن تیمیہ کے ردّ کرنے کی وجہ ان کے اپنے الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں۔ عبدالرزاق ملیح آبادی نے علامہ ابن تیمیہؒ کی کتاب "رأس الحسین" کا ترجمہ کیا ہے جس کا نام "حسینؓ و یزید" رکھا ہے۔ اس کتاب میں ابن تیمیہؒ اس واقعہ کے مردود ہونے کی وجہ ذکر کرتے ہیں:

بعض روایتوں میں دانتوں پر چھڑی مارنے کا واقعہ یزید کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یہ بلکل غلط ہے کیوں کہ جو صحابی اس واقعے میں موجود تھے، وہ دمشق میں نہیں عراق میں موجود تھے[1]۔

دراصل علامہ ابن تیمیہ نے بحیثیت مورخ یہ بات کی ہے، جب کہ ہماری روایت میں کسی صحابی کا ذکر نہیں ہے۔ اس لیے علامہ ابن تیمیہؒ کی یہ بات نا قابل تردید نہیں ہے۔ اگر

---

[1] حسین و یزید ص ۲۱

صرف امام ابن تیمیہؒ کے رد کر دینے سے روایت قابل رد ہو جاتی ہے تو امام ابن جوزیؒ کے اقرار کا بھی کچھ حل نکالیے۔ پھر اس واقعے کو اہل سنت کے معتبر امام حسن بصریؒ نقل کر رہے ہیں جب تک ان کی مخالفت میں روایت نہیں ملتی تب تک محض قیاس آرائی سے روایات رد نہیں ہو سکتیں۔

امام ابن جوزیؒ کہتے ہیں:

إنما العجب من خذلان يزيد ..... وقد تغيرت ريحة لبلوغ الغرض الفاسد[1].

جتنا تعجب مجھے یزید کے افعال قبیحہ سے ہے... کہ اس نے غرض فاسد کے حصول کے لیے سر انور کی توہین کی۔

جو جواب امام ابن جوزیؒ کی رائے کا دیا جائے گا بعینہ وہی قول ابن تیمیہؒ کا رکھ لیجیے گا۔

۲: سنابلی صاحب نے جگہ جگہ صحیح بخاری کے خلاف بتا کر اس موضوع کی تمام روایات کو ضعیف بتایا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں تو صرف یہ صراحت ہے کہ ابن زیاد کے سامنے سر مبارک لایا گیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس کا کیا یہ مفہوم نکلتا ہے کہ سر مبارک کسی اور کو پیش نہیں کیا جا سکتا؟ امام ابن جوزی نقل کرتے ہیں:

أخبرنا الحسين بن علي الطناجيري قال: أخبرنا عمر بن أحمد بن شاهين قَالَ: أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سالم قَالَ: حَدَّثَنَا علي بن سهل قال: حدثنا خالد بن خداس قَالَ:حَدَّثَنَا حماد بن زيد، عن

[1] الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید ص ٦٢

حميل بن مرة، عن أبي الوصي قال:نحرت الإبل التي حمل عليها رأس الحسين وأصحابه، فلم يستطيعوا أكلها، كانت لحومها أمر من الصبر[1].

ابوالوضی کہتے ہیں وہ اونٹ ذبح کیے گئے جن پر حضرت امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے سر لائے گئے تھے تو ان کا گوشت نا کھایا جاسکا کیوں کہ ان کا گوشت ایلوے سے بھی زیادہ کڑوا تھا۔

اعتراض

اس روایت پر سنابلی صاحب کا اعتراض ہے کہ سند میں "احمد بن عبداللہ بن سالم" کے حالات نہیں ملے اور "**علی بن سهل**" کا تعین کے بھی دلائل نہیں ملے[2]۔

جواب

احمد بن عبداللہ بن سالم المعروف ابن النیری

امام خطیب بغدادیؒ اس راوی کا تذکرہ کرتے ہیں:

أحمد بن عبد الله بن أحمد بن العباس بن سالم بن مهران أبو جعفر البزار المعروف بابن النيري روى عنه وأبو حفص بن شاهين... أخبرنا

---

[1] المنتظم ج ٥ ص ٣٤٢ ،وسندہ صحیح

[2] یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ٤١٠

مُحَمَّد بن عبد الملك القرشي، قال: أخبرنا أحمد بن مُحَمَّد بن الفضل بن الجراح الخزاز، قال: حدثنا أحمد بن عبد الله ابن النيري أبو جعفر البزاز ثقة وحدثني الحسن بن أبي طالب أن يوسف القواس ذكره في جملة شيوخه الثقات[1].

امام خطیب بغدادیؒ نے تصریح کی ہے کہ ابن النیری امام ابن شاہین کے استاد ہیں چناں چہ احمد بن عبداللہ بن سالم دراصل ابن النیری ہیں، جو کہ ثقہ راوی ہیں، البتہ امام ابن شاہین ان کے نام سے روایت ایسے ہی بیان کرتے ہیں جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ راوی غیر معروف ہے۔

علی بن سہل کا تعین

علی بن سہل سے مراد علی بن سہل بن مغیرہ ہیں، جو کہ ثقہ راوی ہیں۔ ان کے تعین کے دلائل درج ذیل ہیں، امام ابن شاہینؒ نے امام احمد کا قول اسی سند سے بیان کیا ہے، جو ہماری پیش کردہ روایت میں ہے۔ بعینہ اسی سند سے امام ابن شاھین روایت کرتے ہیں۔ امام ابن شاہین اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں:

ثنا احمد بن عبد الله بن سالم قال ثناعلي بن سهل قال سمعت أحمد بن حنبل في دهليز عفان...[2]

---

[1] تاریخ بغداد ح ۲۲۰۰

[2] تاریخ اسماء الثقات ح ۱۶۵۹

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ احمد بن عبداللہ بن سالم (ابن النیری) کا شیخ علی بن سھل امام احمد کا شاگرد ہے۔اسی روایت کو جب امام مزی نے اپنی کتاب میں نقل کیا تو تصریح کردی ہے کہ امام احمد کا شاگرد علی بن سھل دراصل علی بن سھل بن مغیرہ (ثقہ) ہے اور یہی ابن النیری کا استاد اور ابن النیری سے ابن شاہین روایت نقل کرتے ہیں۔امام مزی کہتے ہیں:

علي بن سهل بن المغيرة البزاز سمعت أحمد بن حنبل...[1]

چناں چہ ثابت ہوا کہ ابن شاہین نے ابن النیری سے اور وہ علی بن سھل سے اور وہ امام احمد سے سنتے ہیں اور اس سند میں بھی یہی سلسلہ ہے۔ان صحیح روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ امام حسینؓ کے سر انور کی توہین یزید نے کی تھی اور اس کے برعکس منقطع روایات مردود ہیں، جس میں اس کے بھلائی کرنے کے واقعات درج ہیں۔

قاتلین سے عدم قصاص

سنابلی صاحب نے اس بحث میں یزید کی حالت کو حضرت علیؓ کی حالت پر قیاس کیا ہے۔جب کہ حضرت علیؓ نے قاتلین عثمان پر لعنت کی ہے اور برملا برأت کا اظہار کیا ہے، بل کہ یہ بھی کہا ہے کہ وہ قاتلین کے متعلق نہیں جانتے کہ کون ہیں، اس جیسا کچھ بھی سنابلی صاحب کے "امیر المومنین" یزید سے دکھادیا جائے۔

- قاتلین عثمانؓ باغی تھے جو کہ کثیر تعداد میں موجود تھے کس نے قتل کیا؟ اس پر گواہی درکار ہوتی ہے اور اس وقت وہ کون شخص تھا، جس نے قاتلین کو دیکھا؟ کنانہ مولی صفیہ (

[1] تھذیب الکمال فی اسماء الرجال ج۸ ص ۲۹۱

مجھول) کے متعلق ایک روایت ملتی ہے کہ انہوں نے ایک قاتل کا نام لیا ہے۔اب اس قاتل کو علیؓ نے کوئی عہدہ دیا ہے تو بتادیں؟اس کے علاوہ کچھ بھی ثابت نہیں،مزید اہل جمل و صفین کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ وہ باغیان سے بھی قیاس لیا جائے جو محض بغاوت میں شریک تھے اور اس حوالے سے سیدنا علی اپنے اجتہاد کے حوالے سے اس مطالبے کو پورا کرنا نہیں چاہتے تھے

-

- جب کہ امام حسینؓ پر حملہ کرنے والی یزیدی فوج تھی جس کا امیر ابن زیاد یزید کا لگایا گورنر تھا۔اس کی ناک کے نیچے سارا واقعہ وقوع پزیر ہوا ... لیکن اس کے باوجود ابن زیاد تک کو برطرف کیا گیا نہ اس سلسلے میں کوئی دیگر قدم اٹھایا گیا...!
- پھر امام حسینؓ کا قاتل سنان بن انس کوفی ملعون تو اعلانیہ طور پر قاتل ہونے کا اقرار کرتا ہے تو تب اسے پکڑ کر سزا دینے میں کیا مشکل تھی؟جب کہ عثمانؓ کے قاتلین سے قصاص لینے کے لیے گواہی ہونا ضروری تھی،جب کہ حال یہ ہے کہ سیدنا عثمان کے قاتلین کی نشاندہی کے لیے آج بھی مضبوط دلائل موجود نہیں ہیں۔
- حضرت علیؓ کی مجبوری یہ تھی کہ خلافت کے آغاز سے ہی قاتلین عثمان سے قصاص لینے کے بارے میں کیا طریقہ کار اپنایا جائے،اس معاملے میں اختلاف ہو گیا تھا اور حالات ابھی سنبھلے ہی نہیں تھے کہ یہ اختلاف مزید بڑھتا گیا۔مزید قصاص کے لیے شہادت بھی درکار تھی محض بغاوت پر سب سے قصاص نہیں لیا جاسکتا تھا ساتھ ہی میں جو نام قاتلین میں شمار کیے جاتے ہیں ان میں سے کون ہیں جس کو پناہ دی گئی ہو؟جب کہ سنابلی صاحب کے مطابق بیعتِ

یزید کا قیام ہو چکا تھا اور اس کا غلبہ پوری اسلامی ریاست پر اجماعی طور پر ہو گیا تھا ۔ ایسے حالات میں قصاص لینا کیا اس کے لیے مشکل تھا؟

❖ یزید کی حکومت میں امام حسینؓ کی شہادت ہوئی ہے، جب کہ علیؓ شہادت سیدنا عثمانؓ کے بعد خلیفہ بنے ہیں وہ بھی سخت مشکل حالات میں، جب وحدت ٹوٹ چکی تھی۔ پھر یزید جیسے کو سیدنا علیؓ کے مقابلے میں لا کھڑا کرنا کہاں کا انصاف ہے، سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں:

أَقْرَؤُنَا أُبَيٌّ ، وَأَقْضَانَا عَلِيٌّ[1].

ہم میں سب سے بہتر قاری قرآن ابی بن کعبؓ ہیں اور ہم میں سب سے زیادہ علیؓ میں قضاء یعنی فیصلے کرنے کی صلاحیت ہے۔

سیدنا علیؓ جیسی شخصیت جن کے فیصلے کی صلاحیت کی تعریف سیدنا عمرؓ کرتے ہیں، ان کے مقابلے میں ایک ظالم بادشاہ کا دفاع ہو رہا ہے جس کے متعلق شر کے سوائے کچھ بھی مروی نہیں ہے۔ اور صحابہ نے اس پر بعد میں اجماع کیا سیدنا علیؓ کا موقف مضبوط تھا اور فقہاء کا اسی پر فتوی ہے۔

❖ اتنا سب کچھ ہو گیا، یقیناً یزید سے مخفی نہ رہا ہو گا، مگر کہا یہ جاتا ہے کہ اس سے قصاص کا مطالبہ نہ کیا گیا۔ تعجب ہے کہ اس حادثہ کے بعد اسے کس کے مطالبہ کا انتظار تھا؟ کوئی صحابی کی گستاخی کر دے تو سب اس شخص کے خلاف متحد ہو جاتے ہیں، یہ ہمارا حال ہے۔ مگر یزید کے معاملہ میں اصول بدل جاتے ہیں۔ کوئی صحابی کو قتل بھی کر دے تب بھی مطالبہ کا انتظار کیا

---

[1] صحیح بخاری ح ٤٤٨١

جائے؟جب کہ گرفتاری معاملے کی تحقیق حکومت کی ذمہ داری ہے۔حامیان یزید بتائیں کیا پیش رفت کی گئی اس حوالے سے؟

❖ اس ساری بحث کا خلاصہ یہی ہے کہ یزید نے امام حسینؓ کی شہادت پر کچھ نہیں کیا، چوں کہ وہ اسی پر خوش تھا۔ اس کا ابن زیاد کو برطرف کرنا ملتا ہے اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی ایسا کام، جسے دیکھ کر رائے بدلی جائے۔ امام ابن جوزیؒ مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اگر وہ سر امام کا احترام کرتا جب وہ اس کے پاس پہنچا تھا اور اس پر نماز پڑھتا، اسے طشت میں نہ رکھواتا[1]۔

بیعت یزید کی نوعیت

اس بیعت کو بعض لوگ اتفاقی کہتے ہیں۔اس پر بھی کچھ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔یزید کی بیعت باقی خلفاء کی نسبت الگ طرز پر لی گئی تھی۔حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کی بیعت اپنے ہی دور میں لینا شروع کر دی تھی اس لیے یزید کی بیعت کو خلفائے راشدین کے طرز بیعت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس کی تفصیل آئے گی۔

چناں چہ امام بخاریؒ کہتے ہیں:

حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا أبو عوانة، عن أبي بشر، عن يوسف بن ماهك، قال: كان مروان على الحجاز استعمله معاوية فخطب، فجعل يذكر يزيد بن معاوية لكي يبايع له بعد أبيه، فقال له عبد

---

[1] الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید ص ٦٤

الرحمن بن أبي بكر شيئا، فقال: خذوه، فدخل بيت عائشة فلم يقدروا، فقال مروان: إن هذا الذي أنزل الله فيه، {والذي قال لوالديه أف لكما أتعدانني} ، فقالت عائشة من وراء الحجاب: ما أنزل الله فينا شيئا من القرآن إلا أن الله أنزل عذري[1].

یوسف بن ماہک نے بیان کیا کہ مروان کو معاویہؓ نے حجاز کا امیر بنایا تھا۔ اس نے ایک موقع پر خطبہ دیا اور خطبہ میں یزید بن معاویہ کا بار بار ذکر کیا، تاکہ اس کے والد کے بعد اس سے لوگ بیعت کریں۔ اس پر عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے اعتراضاً کچھ فرمایا۔ مروان نے کہا: اسے پکڑ لو۔ عبدالرحمٰنؓ اپنی بہن عائشہؓ کے گھر میں چلے گئے تو وہ لوگ پکڑ نہیں سکے۔ اس پر مروان بولا: اسی شخص کے بارے میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی تھی «**والذي قال لوالديه أف لكما أتعدانني**» اور جس شخص نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تف ہے تم پر کیا تم مجھے خبر دیتے ہو۔" اس پر عائشہؓ نے کہا: ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی آیت نازل نہیں کی، بل کہ تہمت سے میری برأت ضرور نازل کی تھی۔

امام ابن ابی خیثمہؒ نقل کرتے ہیں:

فقام عبد الرحمن بن أبي بكر فقال : يا معشر بني أمية اختاروا منا ثلاث سنن:سنة رسول الله ﷺ، أو سنة أبي بكر ، أو سنة عمر، إن هذا الأمر قد كان وفي أهل بيت رسول الله ﷺ من لو ولاه لكان

---

[1] صحيح البخاري ج٦ ص١٣٣ ح ٤٨٢٧

لذلك أهلا ، ثم كان أبو بكر بعده فكان في أهل بيته من لو ولاه لكان لذلك أهلا ، فولي عمر ، وكان في أهل بيت عمر من لو ولاه لكان لذلك أهلا ، فجعلها في نفر من المسلمين وإنما أردتم أن تجعلوها قيصرية كلما هلك قيصر كان قيصر[1].

عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: اے بنوامیہ! آپ ہماری طرف سے پیش کردہ تین طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ منتخب کرلو۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو اپناؤ یا ابو بکرؓ کے طریقہ کو اپناؤ یا عمر فاروقؓ کے طریقہ کو اپناؤ۔ یہ معاملہ اللہ کے نبی ﷺ کے سامنے بھی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں ایسے لوگ تھے، جن کو اگر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ولی عہد بنادیتے تو وہ اس کے اہل تھے۔ اس کے بعد ابو بکرؓ کا دور آیا ان کے خاندان میں بھی ایسے لوگ تھے جنہیں اگر ابو بکرؓ ولی عہد بنادیتے تو وہ اس کے اہل تھے۔ اس کے بعد عمرؓ کا دور آیا... ان کے خاندان میں بھی ایسے لوگ تھے جنہیں اگر عمرؓ ولی عہد بنادیتے تو وہ اس کے اہل تھے، لیکن انہوں نے یہ معاملہ مسلمانوں کی ایک جماعت پر چھوڑ دیا اور تم لوگ چاہتے ہو کہ اس معاملہ کو قیصریت اور کسرویت بنا ڈالو...! جب ایک قیصر فوت ہو تو دوسرا قیصر اس کی جگہ لے۔

امام نسائیؒ کہتے ہیں:

---

[1] تاریخ ابن أبي خیثمۃ ج ۲ ص ۷۲

أخبرنا علي بن الحسين، قال: حدثنا أمية بن خالد، عن شعبة، عن مُحَمَّد بن زياد، قال لما بايع معاوية لابنه، قال مروان: سنة أبي بكر وعمر، فقال عبدالرحمن بن أبي بكر: سنة هرقل وقيصر، فقال مروان: هذا الذي أنزل الله فيه {والذي قال لوالديه أف لكما} [الأحقاف: ١٧] الآية، فبلغ ذلك عائشة فقالت: كذب و الله، ما هو به، وإن شئت أن أسمي الذي أنزلت فيه لسميته، ولكن رسول الله ﷺ لعن أبا مروان، ومروان في صلبه، فمروان فضض من لعنة الله[1].

جب امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لی، مروان نے کہا: یہ سیدنا ابو بکر و عمرؓ کی سنت ہے۔ اس پر عبدالرحمن بن ابی بکر بولے: یہ ہرقل اور قیصر کی سنت ہے۔ مروان نے کہا: یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی {وَالَّذِيْ قال لوالديه أف لكما} [الأحقاف:١٧] اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم پر تف ہے۔ یہ بات سیدہ عائشہؓ کو پہنچی تو آپؓ نے کہا: اللہ کی قسم مروان جھوٹ کہتا ہے۔ یہ آیت ان کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ اگر تم چاہو تو میں اس شخص کا نام لے سکتی ہوں، جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی

---

[1] السنن الکبری النسائی ج ١٠ ص ٢٥٧ ح ١١٤٢٧، وسندہ صحیح، المستدرک ج ٤ ص ٥٢٨، قال امام الحاکم: هذا حديث صحيح الاسناد، السلسلۃ الصحیحۃ ج ٧ ص ٧٢٢ قال الألبانی: واسناده صحيح

مگر رسول ﷺ نے مروان کے باپ کو لعنت کی تھی جب مروان اس کی پیٹھ میں تھا اس لیے مروان اللہ کی لعنت کا ٹکڑا ہے۔

اس روایت کا حسن سند سے شاھد بھی ہے چناں چہ امام ابن ابی حاتمؒ کہتے ہیں:

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلاءِ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ المديني(عبد الله البهي مولى الزبير)قَالَ: إِنِّي لَفِي الْمَسْجِدِ حِينَ خَطَبَ مَرْوَانُ، فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ أَرَى أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فِي يَزِيدَ رَأْيًا حَسَنًا، .....فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: أَلَسْتَ ابْنُ اللَّعِينُ الَّذِي لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ– صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ– أَبَاكَ. قَالَ: وَسَمِعَتْهُمَا عَائِشَةُ فَقَالَتْ: يَا مَرْوَانُ، أَنْتَ الْقَائِلُ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ كَذَا وَكَذَا؟ كَذَبْتُ، مَا فِيهِ نَزَلَتْ، وَلَكِنْ نَزَلَتْ فِي فُلانِ بْنِ فُلانٍ. ثُمَّ انْتَحَبَ مَرْوَانُ، ثُمَّ نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ حَتَّى أَتَى بَابَ حُجْرَتِهَا فَجَعَلَ يُكَلِّمُهَا حَتَّى انْصَرَفَ[1].

ان روایات سے درج ذیل نکات ثابت ہوتے ہیں:

- حضرت معاویہؓ نے اپنی خلافت میں ہی بیعت کا عمل شروع کر دیا تھا۔
- مروان بن حکم کے نزدیک یہ عمل سنت ابو بکرؓ کی پیروی تھی۔

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۹۵؛ المجمع الزوائد ج۵ ص۲۱۴،وقال الهيثمي: رواه البزار وإسناده حسن ،أنيس الساري ج۱۱ ص۱۴۴۹،قال شيخ نبيل البصارة:قلت: وإسناد ابن أبي حاتم صحيح

❖ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے مروان کی تردید کی اور اسے ہرقل اور قیصر کی سنت کہا ہے۔

❖ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے جب اعتراض کیا تو مروان نے اپنے لوگ ان کے پیچھے لگا دیے... یہ بات واضح کرتی ہے کہ اس وقت آزادی اظہارِ رائے کی کس قدر اجازت تھی کہ ایک صحابی نے اختلاف رائے کیا تو اس پر ان کے پیچھے لوگ لگوا دیے گئے۔ جب عبد الرحمن بن ابی بکرؓ کے ساتھ یہ سلوک تھا تو دوسروں کے ساتھ کیا امید کی جاسکتی ہے؟

❖ اس پر سنابلی صاحب کا کہنا ہے کہ "عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے نزدیک بھی یزید اہل تھا خلافت کے لیے..." کہاں؟ یہ بات سنابلی صاحب کو ہی معلوم ہے، احقر اس قدر ''نگاہِ بسیط'' نہیں رکھتا۔

سنابلی صاحب کہتے ہیں:

بلکہ تاریخ ابن ابی خیثمہ کی روایت کے سیاق پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ خود عبدالرحمن بن ابی بکرؓ بھی اس بات کے معترف تھے کہ یزید خلافت کا اہل ہے، اسی لئے انہوں نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ اللہ کے نبی اکرم ﷺ، ابو بکرؓ اور عمر فاروقؓ کے خاندان میں ایسے لوگ موجود تھے، جو ان کے بعد خلافت سنبھالنے کے اہل تھے۔

اگر عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی نظر میں یزید خلاف کے اہل نہ ہوتے تو آپ یہ تمثیل نہ دیتے یا کم از کم اس کے بعد آپ یزید کو خلافت کے لیے نااہل بتاتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا[1]۔

کفایت اللہ سنابلی صاحب کی یہ مذکورہ بالا تشریح محض قیاس پر مبنی ہے۔ اس قول کا مفہوم جو ظاہر ہے وہ یہی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے نزدیک سیدنا معاویہؓ یزید کو خلافت کا اہل سمجھیں، تب بھی انہیں اس طریقہ کار کو اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ طریقہ قیصریت و کسرائیت کا ہے اور اس کے نتائج بھی اسی طرز بادشاہت کی طرح نمودار ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ یہی افضل طریقہ ہے لیکن سیدنا معاویہؓ نے حالات کے پیش نظر یہ فیصلہ لیا تھا۔ اگرچہ افضل کی موجودگی میں غیر افضل کو خلیفہ نامزد کرنا جائز ہے عند العلماء[2]۔

---

[1] یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ۳۰۶

[2] شیخ تقی عثمانی حفظہ اللہ کہتے ہیں:

.....یہ درست ہے کہ افضل کی موجودگی میں غیر افضل کو خلیفہ بنانا شرعاً جائز ہے۔ لیکن افضل یہی ہے کہ خلیفہ ایسے شخص کو بنایا جائے جو تمام امت میں اس منصب کا سب سے زیادہ لائق ہو۔

نیک نیتی کے ساتھ بیٹے کو ولی عہد بنانا شرعاً جائز تو ہے، لیکن ایک طرف موضع تہمت ہونے کی وجہ سے اس سے بچنا ہی بہتر ہے اور شدید ضرورت کے بغیر ایسا کرنا اپنے آپ کو ایک سخت آزمائش میں ڈالنا ہے۔ اس لیے تمام خلفائے راشدین نے اس سے پرہیز کیا۔ (حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق ص ۱۴-۱۵)

حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق ص ۱۴-۱۵)

خلیفہ کی تقرری اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے خلفائے راشدین کے عمل سے طرزِ انتخاب اور بیعت کا طریقہ معلوم کیا جاسکتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانیہ طور پر کسی کا بھی نام نہیں لیا تھا۔ شیعہ حضرات کا موقف یہ ہے کہ سیدنا علیؓ کی خلافت کا اقرار علی الاعلان کیا گیا تھا، تو اس قسم کے تمام باتیں غلط ہیں اور صحیح بات یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو بھی اعلانیہ طور پر خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا... بل کہ فیصلہ امت پر چھوڑ دیا تھا۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ مجھے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیماری میں فرمایا:

ادعي ليأبا بكر، أباك، وأخاك، حتى أكتب كتابا، فإني أخاف أن يتمنى متمن ويقول قائل: أنا أولى، ويأبى الله والمؤمنون إلا أبا بكر[1].

اپنے باپ ابو بکر اور اپنے بھائی کو بلا لاؤ، تاکہ میں (انہیں) ایک تحریر لکھ دوں۔ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی (خلافت کی) آرزو کرنے والا آرزو نہ کرے اور کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ میں خلافت کا زیادہ حق دار ہوں، حالاں کہ اللہ تعالی انکار کرتا ہے اور مسلمان بھی ان کار کرتے ہیں ابو بکر کے سوا کسی اور (کی خلافت) سے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر چاہتے تو ابو بکرؓ کی بیعت کا حکم بھی دے سکتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلافت کے معاملے میں انتشار سے بھی ڈرتے تھے، لیکن اس کے باوجود بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ لوگوں پر چھوڑ دیا۔

---

[1] صحیح مسلم ج ٤ ص ١٨٥٧ ح ٢٣٨٧

تقرری خلیفہ اور سنت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ

امام بخاریؒ نے کہا:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قِيلَ لِعُمَرَ :أَلَا تَسْتَخْلِفُ، قَالَ: إِنْ أَسْتَخْلِفْ، فَقَدِ اسْتَخْلَفَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ، مِنِّي أَبُو بَكْرٍ، وَإِنْ أَتْرُكْ، فَقَدْ تَرَكَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي، رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَثْنَوْا عَلَيْهِ، فَقَالَ: رَاغِبٌ رَاهِبٌ، وَدِدْتُ أَنِّي نَجَوْتُ مِنْهَا كَفَافًا لَا لِي وَلَا عَلَيَّ لَا أَتَحَمَّلُهَا حَيًّا وَلَا مَيِّتًا[1].

سیدنا عمرؓ جب زخمی ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ کسی کو اپنا خلیفہ کیوں نہیں منتخب کر دیتے؟ تو آپ نے فرمایا: اگر میں کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کرتا ہوں (تو اس کی بھی مثال ہے) اس شخص نے اپنا خلیفہ منتخب کیا تھا جو مجھ سے بہتر تھے یعنی ابو بکرؓ ،اور اگر میں اسے (مسلمانوں کی رائے پر) چھوڑتا ہوں تو (اس کی بھی مثال موجود ہے) اس ہستی نے چھوڑ دیا تھا، جو مجھ سے بہتر تھے، یعنی رسول اللہ ﷺ۔

چناں چہ اس اثر سے یہ بات معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو صرف خلیفہ نامزد کیا تھا نہ کہ بیعت لی تھی اور یزید کی بیعت کے طریقہ کار کو حضرت ابو

---

[1] صحیح بخاری ح ۷۲۱۸

بکرؓ کی سنت کہنا سراسر دجل ہے۔ مزید خلیفہ کی اہلیت کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کا نظریہ بھی یہی تھا کہ سب سے بہترین شخص کا ہی تقرر کیا جائے۔

امام ابن سعد نقل کرتے ہیں:

قال: أخبرنا سعيد بن عامر قال: أخبرنا صالح بن رستم عن ابن أبي مليكة عن عائشة قالت: لما ثقل أبي دخل عليه فلان وفلان فقالوا: يا خليفة رسول الله ماذا تقول لربك إذا قدمت عليه غدا و قد استخلفت علينا ابن الخطاب؟ فقال: أجلسوني. أبالله ترهبوني؟ أقولا استخلفت عليهم خيرهم[1].

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب میرے والد کی بیماری زیادہ شدید ہو گئی تو فلاں فلاں ان کے پاس آئے اور کہا: "اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! جب کل آپ اپنے رب کے سامنے پیش ہوں گے تو آپ ان سے کیا کہیں گے جب کہ آپ نے ہم پر عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ مقرر کر دیا ہے؟" اس پر حضرت ابو بکرؓ نے کہا: "مجھے بٹھاؤ! (انہیں بٹھایا گیا تو فرمایا) تم مجھے اس بارے میں اللہ سے ڈرا رہے ہو؟ میں اس سے کہوں گا کہ میں نے ان میں سے بہترین کو ان پر خلیفہ مقرر کیا تھا۔

مزید مروان بن الحکم کے کہنے پر حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے فوراً اسے ہرقل (قیصر روم) کی سنت کہا جوں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمر کا نام دیا تھا

---

[1] طبقات ابن سعد ط العلمیۃ ج ۳ ص ۲۰۷، واسنادہ حسن

جسے وہ موزوں سمجھتے تھے اور سب سے بہترین سمجھتے تھے، لیکن بیعت مشورہ اور آزادی سے ہوئی تھی اور سیدنا عمرؓ سیدنا ابو بکرؓ کے رشتہ دار بھی نہیں تھے۔

تقرری خلیفہ اور سنت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمرؓ نے بھی طریقہ کار میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عمل کو اپنایا ہے، چناں چہ آپؓ کے متعلق روایت ہے۔

سیدنا عمرؓ جب زخمی ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ کسی کو اپنا خلیفہ کیوں نہیں منتخب کر دیتے؟ تو آپ نے فرمایا: اگر میں کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کرتا ہوں (تو اس کی بھی مثال ہے) اس شخص نے اپنا خلیفہ منتخب کیا تھا جو مجھ سے بہتر تھے یعنی ابو بکر اور اگر میں اسے (مسلمانوں کی رائے پر) چھوڑتا ہوں تو (اس کی بھی مثال موجود ہے) اس ہستی نے چھوڑ دیا تھا جو مجھ سے بہتر تھے یعنی رسول اللہ ﷺ[1]۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عمل کو اپنایا ہے، آپ کا طریقہ الگ نہ تھا... صرف فرق اتنا ہے کہ آپؓ نے ایک کی بجائے چھ لوگوں کے نام دیے، جنہیں آپؓ سب سے بہترین سمجھتے تھے۔ امام مسلم نے کہا:

حدثنا مُحَمَّد بن المثنى، حدثنا يحيى بن سعيد، حدثنا هشام، حدثنا قتادة، عن سالم بن أبي الجعد، عن معدان بن أبي طلحة، أن عمر بن الخطاب، خطب يوم الجمعة، فذكر نبي الله ﷺ، وذكر أبا بكر قال:

---

[1] صحیح بخاری ح ۷۲۱۸

إني رأيت كأن ديكا نقرني ثلاث نقرات، وإني لا أراه إلا حضور أجلي، وإن أقواما يأمرونني أن أستخلف، وإن الله لم يكن ليضيع دينه، ولا خلافته، ولا الذي بعث به نبيه ﷺ، فإن عجل بي أمر، فالخلافة شورى بين هؤلاء الستة، الذين توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عنهم راض، وإني قد علمت أن أقواما يطعنون في هذا الأمر، أنا ضربتهم بيدي هذه على الإسلام، فإن فعلوا ذلك فأولئك أعداء الله،الكفرة الضلال[1].

معدان بن ابی طلحہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے جمعہ کے دن اپنے خطبہ میں اللہ کے نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک مرغ نے مجھے تین ٹھونگیں ماریں اور میں اس سے یہی خیال کرتا ہوں کہ میری موت قریب ہے۔ کچھ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ میں اپنا خلیفہ مقرر کر دوں اور اللہ تعالی اپنے دین، خلافت اور اس چیز کو جسے دے کر اپنے نبی اکرم ﷺ کو بھیجا ہے، ضائع نہیں کرے گا۔ اگر میری موت جلد ہی آجائے تو خلافت مشورہ کے بعد ان چھ حضرات کے درمیان رہے گی جن سے رسول اللہ ﷺ اپنی وفات تک راضی رہے اور میں جانتا ہوں کہ کچھ لوگ جن کو خود میں نے اپنے ہاتھ سے اسلام کے لیے مارا ہے۔ اس معاملہ میں طعن کریں گے اگر انہوں نے ایسا ہی کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن اور کافر گمراہ ہیں۔

---

[1] مسلم ج ا ص ۳۹۶ ح ۵۶۷

ان چھ افراد کے نام یہ تھے:

عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ [1]۔

مزید فرماتے ہیں:

فإن حدث بي حدث فليصل للناس صهيب مولى بن جدعان ثلاث ليال، ثم اجمعوا في اليوم الثالث أشراف الناس ، وأمراء الأجناد ، فأمروا أحدكم، فمن تأمر عن غير مشورة ، فاضربوا عنقه[2].

اگر میری موت واقع ہو جائے تو بنو جدعان کے غلام صہیب تین دن رات تک لوگوں کی امامت کروائیں گے۔ اس دوران لوگوں میں سے معزز اور لشکروں کے امیر مشورے سے اپنا امیر منتخب کر لیں، اور اگر کوئی بغیر مشورے کے بننے کی کوشش کرے تو اس کی گردن اڑا دو۔

ایک اور جگہ یوں فرمایا:

اس لیے یاد رکھو! جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی شخص کی بیعت کرے گا، اس کی بیعت کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی وہ اس شخص کے ہاتھ پر صحیح ہو گی جس سے بیعت لی گئی ہے، اس اندیشے سے کہ کہیں وہ دونوں قتل نہ ہو جائیں [3]۔

---

[1] صحیح بخاری ح ۱۳۹۲

[2] السنن الکبری للبیہقی ح ۱۶۰۸۲، وسندہ صحیح

[3] صحیح بخاری ح ۶۴۴۲

ان روایات کی روشنی میں حضرت عمرؓ کا طریقہ کار واضح ہو جاتا ہے کہ آپؓ نے خلیفہ مقرر کرنے کے لیے مسلمانوں کے مشورے کو ضروری قرار دیا اور جو اس کے بغیر عمل کرے تو عمرؓ کے نزدیک ایسے شخص کی بیعت ہی نہیں قائم ہو گی...!

مزید یہ کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کو بھی خلافت کے لیے نامزد نہیں کیا تھا، بل کہ فقط مشورہ دینے والوں میں شمار کیا تھا۔ حضرت عمرؓ اور ابو بکرؓ کے طریقہ کار میں فرق نہیں تھا، کیوں کہ حضرت عمر فاروق سے جب پوچھا گیا تو آپ نے یہی کہا کہ میرے سامنے دو بہترین لوگوں کا طرز عمل ہے۔ حضرت عمرؓ نے صرف ایک کی بجائے چھ لوگوں کے نام دیے کیوں کہ ان کے نزدیک یہ لوگ بہترین تھے اور مرتبے میں یکساں تھے، تو جیسے حضرت عمر نے کسی کی بیعت نہیں لی بالکل ویسے ہی حضرت ابو بکرؓ نے بھی کسی کی بیعت نہیں لی تھی۔

تنبیہ: شیخین علیہما السلام کے طریقہ کار کی بھی تائید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ابو بکر صدیقؓ کا نام دینا چاہتے تھے تاکہ لوگ بعد میں ان پر جمع ہو جائیں، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، اس لیے صدیق اکبر اور فاروق اعظم کا طریقہ کار بھی قطعاً غلط نہیں تھا... لیکن یہ بات طے ہے کہ امت کے لیے خلیفہ مقرر کرنے کا طریقہ نبی اکرم ص اور خلفائے راشدین سے مروی ہے اور یہی حجت اور قابل اتباع ہے، اور ان سب میں مشاورت بنیادی اور یکساں جزو ہے۔ حضرت عمرؓ کا فتویٰ

بھی ہم بیان کر آئے ہیں کہ بنا مشاورت کے بیعت قائم نہیں ہوتی۔

تقرری خلیفہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

سیدنا علیؓ سے کوئی بھی روایت بسند صحیح نہیں مل سکی، لیکن آپ کا عمل نبی اکرم ﷺ کی سنت کی اتباع کرنا تھا، آپؓ نے کسی کو بھی مقرر نہیں کیا تھا، آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے مشورے سے امام حسنؓ کو منتخب کیا... لیکن حضرت معاویہؓ کا عمل کسی کی بھی سنت سے نہیں ملتا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کی بیعت کا نہ صرف حکم دیا تھا، بل کہ اپنی خلافت میں ہی بیعت بھی لی تھی۔ جو ان سے پہلے خلفاء کے طریقہ کے مطابق نہ تھی، اس بحث کا اصل مقصد مروان بن حکم کے قول کا رد تھا اور ساتھ ہی ان لوگوں کا بھی... جو یزید کی بیعت کو حضرت ابو بکرؓ پر قیاس کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے کہا کہ اس طریقہ کی بنیاد ڈالنے والے سیدنا علیؓ تھے تو یہ ان کا دجل وفریب ہے۔۔ امام حاکم روایت کرتے ہیں:

أخبرني أبو بكر محمد بن أحمد المزكي بمرو، ثنا عبد الله بن روح المدائني، ثنا شبابة بن سوار، ثنا شعيب بن ميمون، عن حصين بن عبد الرحمن، عن الشعبي، عن أبي وائل قال: قيل لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه: ألا تستخلف علينا؟ قال:ما استخلف رسول ﷺ فأستخلف، ولكن إن يرد الله بالناس خيرا، فسيجمعهم بعدي على خيرهم، كما جمعهم بعد نبيهم على خيرهم[1].

ابو وائل کہتے ہیں: سیدنا علیؓ سے کہا گیا: کیا آپ کسی کو مقرر نہیں کریں گئے؟ آپؓ نے کہا: جب نبی مکرم ﷺ نے اپنے بعد کسی کو مقرر نہیں کیا تھا تو میں کیسے کسی کو مقرر

[1] المستدرک للحاکم ح ٤٤٦٧، وسندہ جید

کر دوں؟ اگر اللہ نے لوگوں کے لیے بھلائی کا ارادہ رکھا ہوا، تو وہ لوگوں کو خیر پر جمع کر دے گا جیسا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں کو جمع کیا۔

امام طبرانی بسند روایت کرتے ہیں:

وذكر أن جندب بن عبد الله دخل على علي يسأل به، فقال: يا أمير المؤمنين، إن فقدناك ولا نفقدك فنبايع الحسن؟ قال: ما آمركم، ولا أنهاكم أنتم أبصر[1].

حضرت جندب بن عبداللہؓ حضرت علیؓ کے پاس آکر پوچھنے لگے، کہا: اے امیر المومنین، اگر آپ ہم سے جدا ہو جائیں، اللہ کرے جدا نہ ہوں! تو ہم حضرت حسن کی بیعت کر لیں؟ آپؓ نے جواب دیا: نہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں، تم زیادہ بصیرت والے ہو۔

بیعت یزید کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اقدامات

امیر معاویہؓ نے یزید کی بیعت کے لیے جو اقدام کیے... ہم اس کی کچھ تفصیل بیان کریں گے، اس معاملے میں اختلاف ہے کہ امیر معاویہؓ نے یزید کی بیعت کے لیے کب حکم جاری کیا کچھ نے ۵۱ ہجری، ۵۲ ہجری تو کچھ نے ۵۶ ہجری، ۵۷ ہجری کہا ہے۔ اس حکم سے قبل تمہید ا ایک روایت ملاحظہ کریں، امام ابوزرعہ دمشقیؒ کہتے ہیں:

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۹۷ ح ۱۶۸

وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ شَبُّوَيْهِ قال: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ[1] عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ جَابِرٍ قَالَ:قَدِمْتُ عَلَى مُعَاوِيَةَ.....قال(معاوية):أَمَّا كَرْمَةُ قُرَيْشٍ: فَسَعِيدُ بْنُ الْعَاصِ، وَأَمَّا فَتَاهَا، حَيَاءً وَحِلْمًا وَسَخَاءً فَابْنُ عَامِرٍ، وَأَمَّا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ فَسَيِّدٌ كريم، وأما القارىء لِكِتَابِ اللَّهِ، الْفَقِيهُ فِي دِينِ اللَّهِ، الشَّدِيدُ فِي حُدُودِ اللَّهِ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ، وَأَمَّا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ فَرَجُلُ نَفْسِهِ، وَأَمَّا الَّذِي يَرِدُ وُرُودَ كَذَا، وَيَرُوغُ رِوَاغَ الثعْلَبِ، فعَبْدُ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ[2].

جب قبیصہؒ بن جابر نے معاویہؓ سے ان کے بعد خلیفہ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس بارے میں بنو عبد المناف کے چار افراد یکے بعد دیگرے گنوائے جنھیں لوگ چن لیں گئے، قریش کے شریف النفس آدمی سعید بن العاصؓ کو، یا حیاء و پرہیز گاری اور سخاوت میں قریش کے نوجوان عبداللہؓ بن عامر، یا معزز پیشوا حسنؓ

---

[1] عبد الملک بن عمیر پر مختصر اعرض ہے کہ یہ ثقہ، عالم اور محدث ہیں بعض محدثین نے ان پر جرح کی ہے چوں کہ انہیں آخری زندگی میں تغیر لاحق ہوا تھا۔ مزید یہ کہ ان کے حوالے سے یہ کہنا کہ یہ کثیر التدلیس ہیں یہ بات بھی ثابت نہیں ہے۔ عبد الملک بن عمیر صحابہ سے ارسال کرتے تھے جس کے باعث امام ابن حبان نے انہیں مدلس قرار دیا ہے۔ اس لیے انہیں اصطلاحی مدلس قرار نہیں دیا جاسکتا۔

[2] تاریخ ابی زرعۃ الدمشقي ج ا ص ۵۹۲-۵۹۳، وإسنادہ حسن

بن علیؓ کو، یا قاریٔ قرآن، عالم دین دین اور حدود شریعہ کے سخت پابند مروان بن حکم[1] کو، یا مرد فقیہ عبداللہؓ بن عمرؓ کو یا ذہین وہوشیار انسان عبداللہؓ بن زبیرؓ کو۔

یہ روایت وضاحت کرتی ہے کہ اوائل میں امیر معاویہؓ بھی اپنے پہلوں کے طرز پر عمل کرنا چاہتے تھے اور اس اعتبار سے چھ لوگوں کو نامزد کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور فیصلہ مسلمانوں پر چھوڑنا چاہتے تھے، لیکن بعد میں حضرت معاویہؓ نے فیصلہ بدل دیا ضرور ان کے سامنے ایسے حقائق منکشف ہوئے تھے اس میں سیدنا حسنؓ کا سازش کے ذریعے سے شہید کرایا جانا بھی ہے ایسے اور بھی معملات ان کے سامنے تھے جس کے باعث سیدنا معاویہ نے یہ مشکل فیصلہ لیا۔ حلات کے پیش نظر افضل کی موجودگی میں غیر افضل کو نامزد کیا جاسکتا ہے۔ انہیں امور کے باعث سیدنا معاویہؓ نے اپنا سابقہ فیصلہ بدل دیا اور افضل طریقہ کو ترک کر دیا۔ البتہ ان کی تدبیر یزید کے حوالے سے بھی کار آمد ثابت نہ ہو سکی لیکن نیت کے اعتبار سے ان کی ذات پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ ابو بکر ابن عربی کہتے ہیں:

---

[1] مروان بن حکم کے فقیہ ہونے کی تصریح علماء نے کی ہے، اور یہ بھی کہ یہ سچا تھا حدیث بیان کرنے میں لیکن لوگوں کا اس کی شخصیت پر طعن کرنا چند وجوہات کے باعث ہے، جن میں سیدنا طلحہؓ کو شہید کرنا۔ (مصنف لابن شیبۃ ح۱۲۰۹۶، ۳۷۷۷۰، باسناد صحیح)، اہل بیت پر سب وشتم کرنا۔ (العلل الامام احمد بروایۃ عبداللہ ص۴۷۸۱، وسندہ حسن، تاریخ الاسلام ج۳ص۴۶۰)، امیر المومنین سیدنا ابن زبیرؓ کے خلاف خروج کرنا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ج۱۳ص۹۲ح۲۳۰، وسندہ حسن) وغیرہ۔ ان وجوہات کے باعث مروان کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا ہے ورنہ قرآن کے بہترین قاریٔ اور عبادت گزار خوارج بھی تھے اور جید حافظ رافضی بھی تھے جیسے ابن عقدہ وغیرہ۔

أن نقول، إن معاوية ترك الأفضل في أن يجعلها شورى، وألا يخص بها أحدًا من قرابته فكيف ولدًا[1].

ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نے افضل بات کو چھوڑ دیا، انہیں چاہیے تھا کہ معاملہ شوریٰ میں رکھ دیتے (معاملہ) اور اپنے قرابت داروں میں سے کسی کو خاص نہ کرتے چہ جائیکہ اپنے بیٹے کو۔

امام ماوردیؒ لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْأَكْثَرُ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِينَ تَجُوزُ إِمَامَتُهُ وَصَحَّتْ بَيْعَتُه، وَلَا يَكُونُ وُجُودُ الْأَفْضَلِ مَانِعًا مِنْ إِمَامَةِ الْمَفْضُولِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مُقَصِّرًا عَنْ شُرُوطِ الْإِمَامَةِ[2].

اکثر فقہاء اور متکلمین کہتے ہیں کہ زیادہ درجے کے لوگوں کو ہوتے ہوئے مفضول کی امامت اور بیعت جائز ہے، اور افضل کا پایا جانا مفضول کی امامت میں رکاوٹ نہیں بنتا مگر شرط یہ ہے کہ وہ شروط امامت پورا کرنے سے قاصر نہ ہو۔

قاضی ابو یعلی الفراءؒ کہتے ہیں:

ويجوز أن يعهد إلى من ينتسب إليه بأبوة أو بنوة، إذا كان المعهود له على صفات الأئمة، لأن الإمامة لا تنعقد للمعهود إليه بنفس العهد، وإنما تنعقد بعهد المسلمين[1].

---

[1] العواصم من القواصم ص۱۱۸، مترجم نسخہ ۳۵۶

[2] الأحكام السلطانیہ للماوردی ص۸

اور جائز ہے خلیفہ اسے ولی عہد بنائے جو اس کا باپ یا بیٹا ہو مگر شرط یہ ہے کہ ولی عہد ان شرطوں کو پورا کرے جو ائمہ میں ہونی چاہیے کیونکہ امامت صرف اس نامزدگی سے قائم نہیں ہوتی وہ مسلمانوں کی بیعت عام سے ہوتی ہے۔

امام ابو یعلیٰؒ نقل کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ بْنِ شَقِيقِ بْنِ أَسْمَاءَ الْجَرْمِيُّ، حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: لَمَّا أَرَادَ مُعَاوِيَةُ أَنْ يَسْتَخْلِفَ يَزِيدَ بعَثَ إِلَى عَامِلِ الْمَدِينَةِ أَنْ أَفِدْ إِلَيَّ مَنْ شَاءَ، قَالَ: فَوَفَدَ إِلَيْهِ عَمْرُو بْنُ حَزْمٍ الْأَنْصَارِيُّ، فَاسْتَأْذَنَ، فَجَاءَ حَاجِبُ مُعَاوِيَةَ يَسْتَأْذِنُ، فقَالَ: هَذَا عَمْرٌو قَدْ جَاءَ يَسْتَأْذِنُ، فقَالَ: مَا جَاءَ بِهِمْ إِلَيَّ؟ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، جَاءَ يَطْلُبُ مَعْرُوفَكَ، فقَالَ مُعَاوِيَةُ: إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فلْيَكْتُبْ مَا شَاءَ فَأَعْطِهِ مَا سَأَلَكَ، وَلَا أَرَاهُ، قَالَ: فَخَرَجَ إِلَيْهِ الْحَاجِبُ، فَقَالَ: مَا حَاجَتُكَ؟ اكْتُبْ مَا شِئْتَ ، فقَالَ: سُبْحَانَ اللَّهِ أَجِيءُ إِلَى بَابِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ , فَأُحْجَبُ عَنْهُ؟ أُحِبُّ أَنْ أَلْقَاهُ، فَأُكَلِّمَهُ، فقَالَ مُعَاوِيَةُ لِلْحَاجِبِ: عِدْهُ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا إِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ فَلْيَجِئْ، قَالَ: فَلَمَّا صَلَّى مُعَاوِيَةُ الْغَدَاةَ أَمَرَ بِسَرِيرٍ، فَجُعِلَ فِي إِيوَانٍ لَهُ، ثُمَّ أَخْرَجَ النَّاسَ عَنْهُ، فلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ أَحَدٌ إِلَّا كُرْسِيٌّ وُضِعَ لِعَمْرٍو، فَجَاءَ عَمْرٌو، فَاسْتَأْذَنَ، فَأُذِنَ لَهُ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، ثُمَّ جَلَسَ عَلَى الْكُرْسِيِّ، فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ: حَاجَتَكَ، قَالَ: فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ

---

[1] الأحکام السلطانیہ للفراء ص ۲۵

قَالَ: لَعَمْرِي لَقَدْ أَصْبَحَ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ وَاسِطَ الْحَسَبِ فِي قَرَيْشٍ، غَنِيًّا عَنِ الْمَالِ، غَنِيًّا إِلَّا عَنْ كُلِّ خَيْرٍ، وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:"إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَسْتَرْعِ عَبْدًا رَعِيَّةً إِلَّا وَهُوَ سَائِلُهُ عَنْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: كَيْفَ صَنَعَ فِيهَا " وَإِنِّي أُذَكِّرُكَ اللَّهَ يَا مُعَاوِيَةُ فِي أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ تَسْتَخْلِفُ عَلَيْهَا، قَالَ: فَأَخَذَ مُعَاوِيَةَ رَبْوَةٌ وَنَفَسٌ فِي غَدَاةٍ قَرٍّ حَتَّى عَرِقَ وَجَعَلَ يَمْسَحُ الْعَرَقَ عَنْ وَجْهِهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَفَاقَ، فَحَمِدَ اللَّهَ، وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ , فَإِنَّكَ امْرُؤٌ نَاصِحٌ، قُلْتَ بِرَأْيِكَ , بَالِغٌ مَا بلَغَ، وَإِنَّهُ لَمْ يَبْقَ إِلَّا ابْنِي وَأَبْنَاؤُهُمْ، وَابْنِي أَحَقُّ مِنْ أَبْنَائِهِمْ، حَاجَتَكَ، قَالَ: مَا لِي حَاجَةٌ، قَالَ: ثُمَّ قَالَ لَهُ أَخُوهُ: إِنَّمَا جِئْنَا مِنَ الْمَدِينَةِ نَضْرِبُ أَكْبَادَهَا مِنْ أَجْلِ كَلِمَاتٍ قَالَ: مَا جِئْتُ إِلَّا لِكَلِمَاتٍ، قَالَ: فَأَمَرَ لَهُمْ بِجَوَائِزِهِمْ، قَالَ: وَخَرَجَ لِعَمْرٍو، مِثْلُهُ[1].

ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنا نائب بنانے کا ارادہ کیا تو عامل مدینہ کی طرف اپنا آدمی بھیجا کہ میری طرف اپنی چاہت کے مطابق وفد بنا کر بھیجو، انہوں نے عمرو بن حازم رضی اللہ عنہ کو وفد دے کر بھیجا، انہوں نے آکر اجازت مانگی۔ پس امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیکٹری ان کے لیے اجازت مانگنے آیا اور کہا: یہ عمرو ہے جو اجازت طلب کرنے آیا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میرے پاس کیا لایا ہے؟ اس نے کہا:

---

[1] مسند ابی یعلی ح ۷۱۳۸، وسندہ حسن، قال هيثمي: رواه أبو يعلى، ورجاله رجال الصحيح، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۴۹، قال ابن حجر عسقلاني: بسند رجاله ثقات، الاصابہ فی تمیز الصحابۃ ج ۴ ص ۵۱۲

اے امیر المومنین! وہ آپ کے پاس نیک سلوک طلب کرتے ہوئے آیا ہے، پس حضرت معاویہ نے کہا: اگر تو سچا ہے تو وہ لکھ دے جو چاہتا ہے، پس میں اسے عطا کردوں گا جو اس نے مجھ سے مانگا ہے میں اسے دیکھوں گا نہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ حاجب نے آکر آپ سے کہا تیرا کام کیا ہے؟ جو چاہتا لکھ دے تو اس نے کہا: سبحان اللہ میں امیر المومنین کے دروازے پر آیا ہوں اور وہ پردے میں ہو گئے ہیں؟ میں تو ان سے ملاقات کر کے بالمشافہ گفت گو کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت معاویہ نے دربان سے کہا: اس کو فلاں فلاں دن کا وعدہ دے دے، جب صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہو تو آجائے۔ راوی کہتا ہے کہ پس جب حضرت معاویہؓ نے صبح کی نماز پڑھائی تو تخت لگانے کا حکم دیا۔ پس ان کے دفتر میں اسے رکھ دیا گیا، پھر آپ نے لوگوں کو نکال دیا، آپ کے پاس کرسی تھی جسے عمرو کے لیے رکھا گیا تھا، پس حضرت عمرو نے آکر اجازت طلب کی آپ کو اجازت دی گئی، پھر وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئے تو حضرت معاویہ نے ان سے کہا: اپنی ضرورت بیان کرو۔ انہوں نے حمد و ثنا کے بعد کہا: مجھے میری عمر کی قسم! بے شک یزید بن معاویہ اعلی نسب کا قریشی ہے، مال سے غنی ہے، مگر ہر خیر سے خالی ہے۔

میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے: اللہ تعالی جس آدمی کو رعیت دیتا ہے، قیامت کے اس سے ان کے بارے میں سوال ہو گا کہ اس نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ اور اے معاویہ! میں تمہیں امت محمدیہ کے بارے میں اللہ تعالی کی یاد دلاتا ہوں کہ تم ان پر کس کو اپنا نائب بنا رہے ہو۔

راوی کہتا ہے: پس حضرت معاویہ کی سانس پھول گئی، پھر افاقہ ہوا تو آپ نے اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا: حمد وثنا کے بعد، پس تو خاص نصیحت کرنے والا ہے، تو نے بڑے خوب صورت طریقے سے اپنی رائے کہہ دی ہے، تو نے جو کچھ کہنا تھا، صحیح صحیح کہہ دیا... لیکن صورت حال یہ ہے کہ باقی میرا بیٹا ہے یا ان کے بیٹے ہیں، لیکن ان کے بیٹوں سے میرا بیٹا زیادہ حق رکھتا ہے۔ اور کوئی کام ہے تو بتاؤ؟ انہوں نے کہا: ہم مدینہ سے اپنی سواریوں کو دوڑاتے ہوئے چند کلمات کہنے کی خاطر آئے ہیں۔ راوی کہتا ہے: آپ نے انہیں انعامات دینے کا حکم دیا، راوی کا بیان ہے: اور وہ عمرو کے لیے انہیں کی مثل نکلے۔

اس روایت سے درج ذیل نکات ثابت ہوتے ہیں:

❖ اہلِ مدینہ یزید کو نہ تو خلافت کا اہل سمجھتے تھے اور نہ ہی وہ یزید کی بیعت کے لیے رضامند تھے۔ حضرت عمرو بن حازم الانصاریؓ نے یزید کے لیے کہا کہ اس میں کسی قسم کی "خیر" نہیں ہے اور یہ موقف اہل مدینہ کا تھا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انہیں یزید میں ایسی کوئی بات نظر نہ آئی، جس کی وجہ سے اس کا تقرر کیا جاتا۔

❖ سیدنا امیر معاویہؓ نے کسی قسم کا رد نہیں کیا، لیکن اس روایت سے یہ بھی وضاحت ہو گئی کہ یزید کی تقرری کا فیصلہ حضرت امیر معاویہؓ کا ذاتی تھا، ورنہ وہ اہل مدینہ کے رد میں دوسرے لوگوں کا مؤقف ضرور ذکر کرتے۔

❖ امیر معاویہؓ یزید کو حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت حسینؓ بن علی اور ابن زبیرؓ وغیرہ سے انتظامی امور میں بہتر سمجھتے تھے۔ یزید کی بیعت کے متعلق اس بات کی

وضاحت ہوگئی کہ اہل مدینہ نے شروع میں ہی متفقہ طور پر اختلاف کیا تھا۔ جن اصحاب کا اختلاف مشہور ہے ان میں ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ اور سیدنا عبد الرحمن بن ابی بکرؓ شامل ہیں۔ سیدنا حسینؓ نے بھی سیدنا معاویہؓ کی زندگی ہی میں اختلاف کا اظہار کیا تھا[1]۔

اعتراض

سنابلی صاحب کہتے ہیں:

امام ابن عساکر نے اسے غیر صحیح قرار دیا ہے، کما سیاتی امام ابن سیرین نے اسے کسی غیر ثقہ سے ہی سنا ہے، متن بھی دوسری روایت کے مخالف ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے[2]۔

جواب

امام ابن عساکرؒ کا اسے غیر صحیح کہنا بطور "مورخ" ہے۔ مورخین جب کسی واقعے کو صحیح یا غیر صحیح کہیں تو وہ سند پر کلام نہیں ہوتا ورنہ ایسے بہت سے واقعات جو ایک مورخ کے ہاں تو ثابت ہیں، لیکن سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔ یوں بھی جرح و تعدیل کا بنیادی اصول ہے کہ روایت فقط حکم محدث سے صحیح نہیں ہو جاتی، اگر اس کی سند ضعیف ہو یا منقطع ہو... بعینہ ایک متصل سند محدث کے حکم سے ضعیف نہیں بن سکتی اگر اس کے راوی ثقہ ہوں۔ امام ابن

---

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۳۵ ص ۳۵

[2] یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳

عساکر کا اسے "ولم یصح" کہنا کوئی ایسا اعتراض نہیں جس کا جواب دینا ضروری ہو اور نہ ہی انہوں نے اپنے نقد کی وجہ بتائی ہے۔ابن عساکر نقل کرتے ہیں:

أخبرنا أبو بكر محمد بن شجاع أنبأنا أبو عمرو بن مندة أنبأنا الحسن بن محمد بن أحمد أنبأنا أبو الحسن اللنباني ثنا أبو بكر بن أبي الدنيا حدثني أبو جعفر العكلي ثنا إسماعيل بن إبراهيم عن ابن عون حدثني عمر بن كثير بن أفلح قال خرج محمد بن عمرو ابن حزم وأخوه عمارة بن حزم فقدما على معاوية فرأهما ذات يوم فقال متى قدمتما قالا منذ كذا وكذا قال أفلا تلقياني بحاجتكما قالا وددنا قال فميعادكما غدا بالغداة فلما أصبحا جعل محمد يتهيأ للغدو ويقول عمارة اذكر كذا أذكر كذا قال فحضرا الباب فأذن لهما ومعاوية جالس على كرسي فتشهد محمد ثم قال أما بعد فإنه والله من أبنائهم ارتفعا راشدين فلما خرجا أقبل عمارة على أخيه فقال فما ضربنا أكباد الإبل من المدينة إلا لهذا أفي يزيد بن معاوية؟ ما كنت تستقبله بشئ أشد مما استقبلته به فلما أكثر عليه قال حسبك أكل هذا ليظنك أنك ستعطى قال فتركنا كذا وكذا لا يلتفت إلينا ثم أرسل إلينا أن ارفعا حوائجكما قال فرفعنا حوائجنا وأعطانا ما شاء لنا وزادنا[1].

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵۵ ص ۵-۶؛ یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ۹۱۵

عمر بن کثیر بن افلح کہتے ہیں: کہ محمد بن عمرو بن حزم اور ان کے بھائی عمارہ (بن عمرو بن) حزم نکلے اور حضرت امیر معاویہ کے ہاں آئے۔ ایک دن جناب امیر معاویہ نے انھیں دیکھا تو کہا: تم لوگ اپنی حاجت لے کر مجھ سے کیوں نہیں ملے؟ انھوں نے کہا: ہمارا ارادہ ہے۔ امیر معاویہ نے کہا: پھر کل تم لوگ آجاؤ۔ چناں چہ جب صبح ہوئی تو محمد بن عمر جانے کی تیاری میں لگ گئے اور عمارہ سے کہنے لگے: فلاں فلاں بات یاد رکھنا۔ پھر یہ حضرت امیر معاویہ کے دروازے پر آئے اور انھیں اجازت مل گئی۔ امیر معاویہ ایک کرسی پر بیٹھے تھے۔

محمد بن عمر نے حمد و صلاۃ کے بعد کہا: اللہ کی قسم آج روئے زمین پر آپ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی نہیں سوائے میرے نفس کے۔ اور رشد و صواب کے اعتبار سے بھی میرے نزدیک آپ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں سوائے میرے نفس کے۔ **بے شک یزید ہر کارِ خیر کے علاوہ ساری چیزوں سے بے نیاز ہو گیا ہے،** وہ قریش میں اچھے خان دان والا بن چکا ہے، اور مال و دولت کی بھی اسے کوئی کمی نہیں۔ اللہ ہر نگہبان سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کرے گا اور آپ سے بھی آپ کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا، لہذا غور کر لیں کہ آپ اللہ کے بندوں کے لیے ولی عہد مقرر کرنے جا رہے ہیں۔ پھر انھوں نے استغفار کیا۔ راوی کہتے ہیں، میں نے دیکھا: معاویہ ہانپنے لگے جب کہ ہم جاڑے کے دن میں تھے۔ پھر انھوں نے سانس لی اور حمد و صلاۃ کے بعد کہا: بے شک تم نصیحت کرنے والے شخص ہو، تم نے اپنی رائے پیش کی ہے۔ اللہ کی قسم تمھیں اس کا پورا حق ہے۔

لیکن اب میرا بیٹا اور دیگر اصحاب کے بیٹے ہی بچے ہیں اور میرا بیٹا ان کے مقابلے میں زیادہ حق دار ہے۔ آپ دونوں آرام سے جا سکتے ہیں۔ پھر جب دونوں نکلے تو عمارہ اپنے بھائی کے پیچھے پڑ گئے اور کہنے لگے: ہم مدینہ سے سفر کی مشقت اسی لیے اٹھا آئے تھے؟ کیا یزید بن معاویہ کے بارے میں بات کرنی مقصود تھی؟ جس سختی کے ساتھ تم نے ان سے ملاقات کی ہے اس سے زیادہ شدت کا مظاہرہ تم کر بھی نہیں سکتے تھے۔ جب ان کے بھائی بہت زیادہ بولنے لگے تو انھوں کہا: اب رہنے دیں! کیا یہ سب تم اس لیے کہہ رہے ہو تاکہ یہ سمجھا جائے کہ تمھیں کچھ مل جائے گا؟ یہ کہتے ہیں پھر ہمیں چھوڑ دیا گیا اور ہماری طرف کوئی توجہ نہیں ہو رہی تھی۔

اس روایت میں بھی وہی الفاظ ہیں جن سے ہمارا استدلال ہے۔ خیر اس کی سند میں راوی ''**ابو جعفر العکلی**'' جو کہ **محمد بن عباد بن موسی العکلی کوفی** ضعیف ہے امام ابن معینؒ، ابن عقدہ، ذہبیؒ اور ابن حجر عسقلانیؒ نے ان پر اعتماد نہیں کیا ہے[1]، اس لیے اصولاً اس روایت کو ثقات کی سند سے روایت پر فوقیت نہیں دی جاسکتی۔ بالفرض اگر اسی روایت کو بھی صحیح مان لیا جاے تو تب بھی امیر معاویہؓ کا یزید کو فوقیت دینا اور اہل مدینہ کا بیعت سے اختلاف اس کے متن میں بھی واضح ہے۔ صرف یہ ہے کہ حضرت عمرو بن حازمؓ کی جگہ ان کے بیٹے کا شام جانے کا ذکر ہے۔ اگر امام ابن عساکرؒ کے کہنے سے یہ روایت قابل استدلال

---

[1] تاریخ بغداد بشار ج ۳ ص ۶۴۹؛ لسان المیزان ج ۷ ص ۳۶۳؛ سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ج ۲ ص ۱۹۵

نہیں ہے... تو امام ابن حجرؒ کے اعتماد کا کیا جواب ہو گا؟ چناں چہ امام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

قال أبو نعيم: مات في خلافة عمر، كذا قال إبراهيم بن المنذر في الطبقات. ويقال بعد الخمسين.قلت: وهو أشبه بالصواب، ففي مسند أبو يعلى بسند رجاله ثقات– أنه كلّم معاوية في أمر بيعته ليزيد بكلام قويّ[1].

ابو نعیمؒ کہتے ہیں: خلافت فاروقی میں فوت ہوئے۔ ایسا ہی ابراہیم بن منذر نے الطبقات میں لکھا ہے۔ بعض نے ۵۰ ہجری کے بعد کی وفات بتائی ہے۔ میں کہتا ہوں: **یہی صحیح مناسب ہے**، چناں چہ مسند ابی یعلی میں ثقہ رجال سے مروی ہے کہ انہوں نے امیر معاویہ سے ان کے بیٹے یزید کی بیعت کے بارے میں دلائل سے گفت گو کی تھی۔

امام ابن حجرؒ نے دراصل وفات عمرو بن حزمؓ پر بحث کی ہے اور اس روایت کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ ان کی وفات ۵۰ ہجری کے بعد کی ہے، چناں چہ امام ابن حجر عسقلانیؒ اس واقعے کو صحیح سمجھتے تھے۔ امام ابن سیرین کی سماعت پر جو سنابلی صاحب نے اعتراضات کیے ہیں ان کا بھی جائزہ لے لیتے ہیں، جناب فرماتے ہیں:

---

[1] الاصابۃ ج ٤ ص ٥١٢

ایسے صحابہ کے حوالے سے یہ روایت بیان کرنے کے عادی تھے، جن سے یہ کبھی ملے نہ تھے گرچہ ان کا دور پایا تھا بلکہ اللہ کے نبی ﷺ کے دور کی بات بھی بیان کر دیتے تھے[1]۔

ایسے بہت سے رواۃ موجود ہیں جن کے متعلق محدثین نے صراحت کی ہے کہ اس راوی کا فلاں صحابی سے سماع ثابت نہیں اور اس معاملے میں محدثین کا اختلاف ہو جاتا ہے، لیکن اس سب کے باوجود یہ رائے کسی نے قائم نہیں کی ہے کہ راوی کا ہر شیخ سے سماع پر تحدیث پیش کیا جائے۔ علماء نے یہاں تک ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی راوی حدثنا بھی کہہ کر روایت کرے اور محدثین سماعت کا انکار کر دیں تو علماء کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہاں تمہید کا اصل مقصد یہ ہے کہ سنابلی صاحب مرسل کو تدلیس سے ملا رہے ہیں اور تدلیس کا ہی اصول مراسیل بیان کرنے والے پر لاگو کر رہے ہیں، جب کہ ایسا نقد کسی محدث سے نہیں ملتا۔ اس وجہ سے اگر ابن سیرینؒ کے سماع کا انکار ہے، تو اس پر دلیل مدعی کے ذمے ہے اور جب تک کسی محدث کی صراحت نہیں مل جاتی راوی کی روایت سماع پر ہی محمول ہو گی۔ اصول حدیث میں یہ ایک نئی تخلیق ہے جس کا سہرا سنابلی صاحب کے سر ہے کہ ارسال کرنے والا راوی بھی سماعت کی صراحت پیش کرے جناب سے پہلے یہ نقد ہمیں کہیں پڑھنے کو نہیں ملا۔

دوسرا اعتراض سنابلی صاحب کا یہ ہے کہ ابن سیرینؒ بصرہ کے ہیں اور واقعہ شام کا ہے اور اس معاملے میں امام ابو حاتمؒ کے نقد سے استدلال کیا ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے کہا:

---

[1] یزید پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ۹۰۱

سئل أبي عن ابن سيرين سمع من أبي الدرداء قال قد أدركه ولا أظنه سمع منه ذاك بالشام وهذا بالبصرة[1].

میرے والد سے پوچھا گیا کہ کیا محمد بن سیرین نے ابو الدرداء سے سنا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ان کو پایا ہے لیکن مجھے نہیں لگتا کہ ان سے سنا ہے، کیوں کہ وہ شام کے رہنے والے ہیں اور یہ بصرہ کے ہیں۔

امام ابو حاتمؒ نے یہاں پر خیال کا اظہار کیا ہے تو اسے سماع کے انکار پر دلیل بنانا ہی غلط ہے۔ یہی استدلال جناب نے ایک اور روایت پر کیا ہے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام ابن سیرینؒ بصرہ سے نکلے ہی نہیں تھے، ایک روایت پر نقد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بالفرض یہ مان لیں کہ اس روایت میں ابن سیرین حضرت نائلہؓ سے روایت کر رہے ہیں تو بھی یہ سند محل نظر ہے، کیوں کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ بہت زیادہ ارسال کرنے والے راوی ہیں۔ اور یہ بصرہ کے رہنے والے تھے جب کہ نائلہ زوجہ عثمان بن عفانؓ کا بصرہ آنا ثابت نہیں ہے، بل کہ مدینہ کے بعد صرف شام آنا ثابت ہے[2]۔

جب کہ اسی روایت پر محدثین نے "حسن" کا حکم لگایا ہے، چناں چہ امام ابن کثیر اس روایت کے متعلق کہتے ہیں:

---

[1] المراسیل لابن أبي حاتم ص ۱۸۷

[2] محدث فورم موضوع: ایک رات میں ختم قران سے متعلق کچھ روایات کی تحقیق

وهذا حسن[1].

اسی طرز پر امام ابن سیرینؒ پر امام ابو حاتمؒ کا نقد بھی غلط معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ حضرت ابودرداء کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی اور امام ابن سیرین کی ولادت ۳۳ھ بتائی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے سماع تو درکنار لقاء بھی ممکن نہیں۔ اس قول کی بناپر سنابلی صاحب ہر روایت کو منقطع بنانے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ اور یہ دلیل کافی نہیں روایت کو ضعیف بنانے کے لیے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا موقف

امام ابونعیمؒ کہتے ہیں:

حدثنا مُحَمَّد بن علي، ثنا الحسين بن مودود، ثنا سليمان بن يوسف، ثنا يعقوب بن إبراهيم بن سعد، ثنا أبي، عن صالح بن كيسان، عن ابن شهاب، قال: أخبرني القاسم بن مُحَمَّد بن أبي بكر، أن معاوية، أخبر " أن عبد الله بن عمر وعبد الرحمن بن أبي بكر وعبد الله بن الزبير خرجوا من المدينة عائذين بالكعبة من بيعة يزيد بن معاوية[2].

---

[1] فضائل القرآن لابن کثیر ج ۲ ص ۲۵۷

[2] حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء ج ۱ ص ۳۳۱، وسندہ صحیح

قاسم بن محمد بن ابی بکر کہتے ہیں کہ معاویہؓ کو خبر دی گئی کہ عبداللہ بن عمر، عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر بیعت یزید سے بچنے کے لئے مدینہ سے نکل کر مکہ آ گئے ہیں۔

امام ابن سعدؒ کہتے ہیں:

حدثنا وهب قال حدثني أبي عن أيوب عن نافع قال خطب معاوية فذكر ابن عمر فقال والله ليبايعن أو لأقتلنه فخرج عبد الله بن عبد الله بن عمر إلى أبيه فأخبره وسار إلى مكة ثلاثا فلما أخبره بكى ابن عمر فبلغ الخبر عبد الله بن صفوان فدخل على ابن عمر فقال أخطب هذا بكذا قال نعم فقال ما تريد أتريد قتاله فقال يا بن صفوان الصبر خير من ذلك فقال ابن صفوان والله لئن أراد ذلك لأقاتلنه فقدم معاوية مكة فنزل ذا طوى فخرج إليه عبد الله بن صفوان فقال أنت الذي تزعم أنك تقتل ابن عمر إن لم يبايع لابنك فقال أنا أقتل ابن عمر إني والله لا أقتله[1].

نافع کہتے ہیں: امیر معاویہؓ نے خطبہ دیا اور عبداللہ بن عمرؓ کا تذکرہ کیا اور کہا: ''اللہ کی قسم! یہ بیعت کر لیں ورنہ میں انہیں قتل کر دوں گا۔'' یہ سن کر عبداللہ بن عبداللہ بن عمر اپنے والد کے پاس گئے، انہیں اس بات سے آگاہ کیا، وہ تین دن کے اندر مکہ پہنچ گئے۔ ان کے والد نے جب یہ بات سنی تو رو پڑے۔ پھر یہ بات عبداللہ

[1] تاریخ خلیفۃ بن خیاط ص ۲۱۵، رجالہ ثقات

بن صفوانؓ کو معلوم ہوئی تو وہ ابن عمرؓ کے پاس آئے اور کہا: کیا انہوں نے اپنے خطاب میں یہ بات کہی ہے؟ کہا: ہاں۔ عبداللہ بن صفوانؓ نے کہا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ کیا آپ ان سے لڑنا چاہتے ہیں؟ عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا: اے ابن صفوان! صبر اس سے بہتر ہے۔ پھر عبداللہ بن صفوانؓ نے کہا: اللہ کی قسم اگر انہوں نے ایسا ارادہ کیا ہے تو میں ان سے لڑوں گا۔ پھر معاویہؓ مکہ آئے اور مقام ذی طوی میں نزول فرمایا تو عبداللہ بن صفوانؓ ان کے پاس گئے اور کہا: کیا آپ کا یہ ارادہ ہے کہ اگر عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کے بیٹے کی بیعت نہ کی تو آپ انہیں قتل کر دیں گے؟ تو معاویہؓ نے کہا: میں انہیں قتل کر دوں گا؟ اللہ کی قسم میں ان کو قتل نہیں کر سکتا۔

امام ابن سعدؒ بیان کرتے ہیں:

أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبرَاهِيمَ الْأَسَدِيُّ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ مُعَاوِيَةُ الْمَدِينَةَ حَلَفَ عَلَى مِنْبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صلّى الله عليه وسلم لَيُقْتَلَنَّ ابْنُ عُمَر, فَلَمَّا دَنَا مِنْ مَكَّةَ تَلَقَّاهُ النَّاسُ وَتَلَقَّاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَفْوَانَ فِيمَنْ تَلَقَّاهُ , فَقَالَ: إِيهِنْ مَا جِئْتَنَا بِهِ، جِئْتَنَا لِتَقْتُلَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ؟ قَالَ: وَمَنْ يَقُولُ هَذَا؟ وَمَنْ يَقُولُ هَذَا؟ وَمَنْ يَقُول هَذَا؟ثَلَاثً[1].

[1] الطبقات ابن سعد ط دار صادر ج ٤ ص ١٨٣، وسندہ صحیح

نافعؒ کہتے ہیں: جب امیر معاویہؓ مدینے آئے تو منبر رسول پر حلف لے کر کہا کہ ابن عمر قتل کر دیے جائیں گے۔ اس کے بعد جب امیر معاویہؓ مکے کے قریب پہنچے تو لوگوں نے انہیں گھیر لیا، انہیں لوگوں میں عبداللہ بن صفوانؓ بھی تھے۔ انھوں نے کہا: یہی سب کرنے کے لیے تم ہمارے پاس آئے ہو؟ کیا تمہارے آنے کا مقصد عبداللہ بن عمر کا قتل ہے؟ تو امیر معاویہؓ نے کہا: کون یہ بات کہتا ہے؟ کون یہ بات کہتا ہے؟ کون یہ بات کہتا ہے؟ راوی کہتا ہے کہ امیر معاویہؓ نے یہ سوال تین دفعہ دہرایا۔

اسی روایت کی متابعت ان الفاظ میں بھی ہے:

أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ مُعَاوِيَةُ الْمَدِينَةَ حَلَفَ عَلَى مِنْبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صلّى الله عليه وسلم لَيُقْتَلَنَّ ابْنُ عُمَر، قَالَ: فَجَعَلَ أَهْلُنَا يَقْدُمُونَ عَلَيْنَا وَجَاءَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَفْوَانَ إِلَى ابْنِ عُمَرَ , فَدَخَلَا بَيْتًا، وَكُنْتُ عَلَى بَابِ الْبَيْتِ , فَجَعَلَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَفْوَانَ يَقُولُ: أَفَتَتْرُكُهُ حَتَّى يَقْتُلَكَ، وَاللَّهِ لَوْ لَمْ يَكُنْ إِلَّا أَنَا وَأَهْلُ بَيْتِي لَقَاتَلْتُهُ دُونَكَ , قَالَ: فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَفَلَا أَصْبِرُ فِي حَرَمِ اللَّهِ؟ قَالَ: وَسَمِعْتُ نَجِيَّهُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ مَرَّتَيْنِ، فَلَمَّا دَنَا مُعَاوِيَةُ تَلَقَّاهُ النَّاسُ وَتَلَقَّاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَفْوَانَ فَقَالَ: إِيهِنْ مَا جِئْتَنَا بِهِ، جِئْتَ لِتَقْتُلَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ؟ قَالَ: وَاللَّهِ لَا أَقْتُلُهُ [1].

[1] طبقات ابن سعد ج ٤ ص ١٨٣ واسنادہ صحیح

نافعؒ کہتے ہیں: جب امیر معاویہؓ مدینہ آئے تو منبر رسول پر حلف لے کر کہا کہ ابن عمرؓ قتل کر دیے جائیں گے۔ اس کے بعد ہمارے اقرباء ہمارے پاس آنے لگے اور عبداللہ بن صفوانؓ عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے اور گھر میں داخل ہوئے۔ اس وقت میں دروازے کے پاس تھا۔ تو عبداللہ بن صفوانؓ کہنے لگے: کیا آپ امیر معاویہؓ کو چھوڑ دیں گے تاکہ وہ آپ کو قتل کر دیں؟ اللہ کی قسم! اگر میں اور میرے گھر والوں کے علاوہ کوئی بھی نہ ہوتا تو بھی میں امیر معاویہؓ سے لڑتا۔ تو عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: کیا میں اللہ کے حرم میں صبر نہ اختیار کروں؟ نافع کہتے ہیں کہ میں نے اس رات دو بار عبداللہ بن عمرؓ کے سسکنے کی آواز سنی۔ پھر جب امیر معاویہؓ (مکہ کے) قریب پہنچے تو لوگوں نے انہیں گھیر لیا اور عبداللہ بن صفوانؓ نے بھی انہیں گھیرا اور کہا: یہی سب کرنے کے لئے تم ہمارے پاس آئے ہو؟ کیا تمہارے آنے کا مقصد عبداللہ بن عمرؓ کا قتل ہے؟

امیر معاویہؓ سے بذات خود دھمکی کے الفاظ اوثق راویان نے ذکر نہیں کیے ہیں، اس لیے وھب بن جریر کی روایت میں یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں اور صحیح بات یہی ہے کہ یہ رویہ شام کے متعصبین کا تھا۔ اس کے راوی وھب بن جریر کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے:

في بعض حَدِيْثه شيء[1].

امام خلیفہ بن خیاطؒ کہتے ہیں:

---

[1] العلل لِلإمام أحمد رواية المروذي ص ٧٣

حَدَّثَنَا عَبْدالرَّحْمَن بْن مهْدي قَالَ نَا سُفْيَان عَن مُحَمَّد بْن الْمُنْكَدر قَالَ قَالَ ابْن عُمَر حِين بُويعَ يَزِيد بْن مُعَاوِيَة إِن كَانَ خيرا رضينَا وَإِن كَانَ بلَاء صَبرنَا[1].

ابن عمرؓ نے اس وقت جب وہ یزید کی بیعت کے لیے آئے تو کہا کہ اگر یہ خیر ہے تو ہم راضی ہیں اور اگر یہ شر ہے تو ہم صبر کرتے ہیں۔

ان تمام روایات کی روشنی میں یہی بات واضح ہوتی ہے کہ ابن عمرؓ نے خوشی سے بیعت نہیں کی تھی، بل کہ وہ یزید کی بیعت کے لیے بھی تیار نہیں تھے اور ان کی بیعت یزید کی تعدیل پر اثبات نہیں بن سکتی۔ جب ابن عمرؓ جیسے صحابی یزید کی بیعت کے وقت اس سے خیر کی امید نہیں کرتے تھے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ باقی اصحاب نے یزید کی بیعت اس کی تائید میں کی ہو؟ سنابلی صاحب نے یہ تو رونا رویا ہے کہ دو صغار صحابہ نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی، لیکن جنہوں نے بیعت کی بھی تو اس کی حقیقی نوعیت بھی قارئین کے سامنے واضح ہو گئی ہے کہ ابن عمرؓ بیعت کے وقت بھی اضطراب کا شکار تھے، مزید آپ کو شام والوں کے سخت رویے سے بھی ڈر تھا۔ اور واضح ہو چکا تھا کہ اگر سختی سے تسلط قائم کیا جائے تو صبر کو ترجیح دی جائے۔ یہی صحابہ کی رائے تھی لیکن اس رائے سے ان شخصیات کے اجتہاد پر اثر نہیں پڑتا جن کے ہاں تسلط قائم نہیں ہوا۔

قاضی ابو یعلی الفراءؒ کہتے ہیں:

---

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۲۱۷ وسندہ صحیح، الصبر الصواب علیہ لابن ابی الدنیا ح ۱۶۹، وسندہ صحیح، لسان المیزان ج ۶ ص ۲۹۴

لأن الإمامة لا تنعقد للمعهود إليه بنفس العهد، وإنما تنعقد بعهد المسلمين[1].

خلافت ولی عہد بنا دینے سے منعقد نہیں ہو جاتی بل کہ مسلمانوں کے قبول کرنے سے منعقد ہوتی ہے۔

ورنہ یہی اصحاب ہیں جو سیدنا ابو بکرؓ صدیق کو خلیفہ بناتے ہیں یہی اصحاب سیدنا علیؓ کو بڑھ چڑھ کر خلیفہ مقرر کرنا چاہتے ہیں، اتنے اہم فریضہ میں امت کے یہ سردار خاموش ہو جاتے ہیں اور یزید کے لیے کوشش بھی نہیں کرتے اور حتی الامکان اس سے بچتے ہیں اور پھر بالآخر مجبوراً قبول کر لیتے ہیں اگر یہ اصحاب اس قدر اہل سمجھتے تھے تو کوئی اثبات میں بھی اثر پیش کیا جاے نفی میں تو ہم نقل کر آئے ہیں۔

امام ابن جوزی کہتے ہیں:

فبان بما ذكرنا أن ولايته كانت قهراً، وإنماسكت الناس خوفاً[2].

پس ہمارے بیان سے ظاہر ہو گیا کہ اس کی حکومت جبری تھی اور لوگ خوف وڈر کی وجہ سے خاموش ہو گئے تھے۔

---

[1] الأحکام السلطانیۃ ص ۲۵ ط دار الکتب العلمیۃ

[2] الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید ص ۸۰

بیعت یزید سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا اختلاف

اس سے قبل ہم یہ بحث کر چکے ہیں کہ یزید کی بیعت سے اختلاف اہل مدینہ نے کیا تھا، اس کے علاوہ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ اور حسینؓ بھی یزید کی بیعت سے اختلاف رکھتے تھے ان کا موقف یہی تھا معاملہ شوری کے تحت ہی حل ہو گا اور نامزدگی بھی اسی اعتبار سے ہو گی۔

امام أبو نعیم نے کہا:

حدثنا مُحَمَّد بن علي، ثنا الحسين بن مودود، ثنا سليمان بن يوسف، ثنا يعقوب بن إبراهيم بن سعد، ثنا أبي، عن صالح بن كيسان، عن ابن شهاب، قال: أخبرني القاسم بن مُحَمَّد بن أبي بكر، أن معاوية، أخبر أن عبد الله بن عمر وعبد الرحمن بن أبي بكر وعبد الله بن الزبير خرجوا من المدينة عائذين بالكعبة من بيعة يزيد بن معاوية، قال: فلما قدم معاوية مكة تلقاه عبد الله بن الزبير بالتنعيم فضاحكه معاوية وسأله عن الأموال ، ولم يعرض بشيء من الأمر الذي بلغه، ثم لقي عبد الله بن عمر وعبد الرحمن بن أبي بكر فتفاوضا معه في أمر يزيد، ثم دعا معاوية ابن الزبير فقال له: هذا صنيعك أنت، استزللت هذين الرجلين، وسننت هذا الأمر، وإنما أنت ثعلب رواغ لا تخرج من جحر إلا دخلت في آخر، فقال ابن الزبير: «ليس بي شقاق، ولكن

أكره أن أبايع رجلين، أيكما أطيع بعد أن أعطيكما العهود والمواثيق؟ فإن كنت مللت الإمارة فبايع ليزيد، فنحن نبايعه معك[1].

قاسم بن محمد بن ابی بکر کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کو خبر دی گئی کہ عبداللہ بن عمر، عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیرؓ بیعت یزید سے بچنے کے لیے مدینہ سے نکل کر مکہ آ گئے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر معاویہؓ جب مکہ آئے تو مقام تنعیم پر عبداللہ بن زبیرؓ کا ان سے سامنا ہوا، معاویہؓ خندہ پیشانی کے ساتھ ان سے ملے اور ان کی خیر وعافیت دریافت کی، لیکن ان کے حوالے سے انہیں جو خبر ملی تھا، اس کے متعلق کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اس کے بعد معاویہؓ نے عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے بھی ملاقات کی اور ان دونوں حضرات نے یزید کے مسئلہ پر امیر معاویہؓ سے بات چیت کی۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ نے عبداللہ بن زبیرؓ کو بلایا اور ان سے کہا: یہ سب آپ ہی کا کیا دھرا ہے، آپ ہی نے ان دونوں حضرات کو بہکایا ہے اور اس چیز کی شروعات کی ہے۔ آپ کی مثال خود کو چھپانے والی اس لومڑی کی طرح ہے جو ایک سوراخ سے نکل کر دوسرے سوراخ میں داخل ہو جاتی ہے، تو ابن زبیرؓ نے کہا: میں اختلاف نہیں کرتا لیکن میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ دو دو لوگوں سے بیعت کروں، اگر میں نے آپ دونوں کو عہد و میثاق دے دیا تو پھر میں آپ دونوں میں سے کس کی اطاعت کروں گا؟ اگر آپ

---

[1] حلیۃ الأولیاء ج ۱ ص ۳۳۱، واسنادہ صحیح

امارت سے اکتا گئے ہیں تو یزید کی بیعت کرلیں، ہم بھی آپ کے ساتھ یزید کی بیعت کرلیتے ہیں۔

امام طبرانی کہتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ صَدَقَةَ الْبَغْدَادِيُّ، ثنا الْهَيْثَمُ بْنُ مَرْوَانَ الدِّمَشْقِيُّ، ثنا زَيْدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ عُبَيْدٍ، ثنا سَعِيدُ بْنُ بِشْرٍ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، قَالَ لِمُعَاوِيَةَ فِي الْكَلَامِ الَّذِي جَرَى بَيْنَهُمَا فِي بَيعَةِ يَزِيدَ: وَأَنْتَ يَا مُعَاوِيَةُ أَخْبَرَتْنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا كَانَ فِي الْأَرض خَلِيفَتَانِ فَاقْتُلُوا أَحَدَهُمَا[1].

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر حضرت معاویہؓ سے اپنی اس گفت گو میں جو بیعت یزید کے بارے میں ہوئی، کہہ آئے: معاویہ تو مجھے یہ خبر تم نے ہی دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ جب زمین میں دو خلیفہ ہوں تو ان میں سے ایک کو قتل کردو۔

حضرت ابن زبیرؓ نے صرف بات کو ٹال مٹول کیا ہے چوں کہ یہ حضرات نہ صرف طریقہ کار سے اختلاف رکھتے تھے بل کہ شخصیت کے حوالے سے بھی مطمئن نہ تھے ساتھ ہی میں امیر معاویہؓ سے تعلقات کے باعث بھی یہ بات نہ کہہ سکے، سنابلی صاحب نے یہ باور کرایا

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی ح ۷۱۰، وسندہ صحیح؛ مسند الشامین ح ۲۷۹۶؛ مجمع الزائد ج ۵ ص ۱۹۸، قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير والأوسط، ورجاله ثقات

ہے کہ اصحاب کو اختلاف طریقہ کار سے تھا، اس بات میں کوئی شک نہیں، ابن زبیرؓ صرف یہی اختلاف نہیں رکھتے تھے، بل کہ یزید کو اہل بھی نہیں سمجھتے تھے۔ امام ابن عساکرؒ نے روایت کیا ہے:

عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نَافِعِ بْنِ ثَابِتٍ ، قَالَ : قَامَ مَرْوَانُ عَلَى الْمِنْبَرِ،فَدَعَا إِلَى بَيعَةِ يَزِيدَ، فَكَلَّمَهُ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ بِكَلامٍ مَوْضِعُهُ غَيرُ هَذَا[1].

عبد اللہ بن نافع بن ثابت نے کہا: مروان منبر پر بیٹھا اور یزید کی بیعت کی دعوت دینے لگا، پس حضرت حسین بن علیؓ نے اس بات پر کلام کیا، اور عبد اللہ بن الزبیرؓ نے بھی (اتنا سخت کلام) کیا کہ وہ اس مقام پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اس بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اہل مدینہ اور اہل کوفہ یزید کی بیعت پر رضامند نہیں تھے، صرف اہل شام ہی کی طرف سے تعاون حاصل تھا اور ان میں بھی کوئی صحابی نہیں دکھایا جا سکتا جس نے بیعت یزید کی تائید کی ہو اور جن اصحابؓ نے بیعت کی ہے، ان میں سے ابن عمرؓ کا قول بھی نقل ہو چکا ہے اور دیگر اصحاب کی رائے بھی یہی تھی کہ انتشار سے بچا جائے نہ کہ وہ یزید کو خلیفہ اہلیت کی بنا پر مانتے تھے۔ اصحاب کا بنیادی اختلاف طریقہ کار سے تھا لیکن ساتھ میں وہ یزید کی شخصیت پر بھی اعتماد نہیں کرتے تھے اس کے لیے اہل مدینہ کا عمل و اقوالات کافی ہیں۔

---

[1] تاریخ دمشق ج ۳۵ ص ۳۵

صحابہ اکرامؓ کی خاموشی کا مقصد

صحابہ کرام کی خاموشی سے مراد کچھ حضرات نے یہ لے لیا ہے کہ وہ سب یزید کی تقرری کے لیے رضامند تھے، یہ دعوی دلیل کے بغیر ہونے کے ساتھ ساتھ حقائق کے بھی خلاف ہے۔ امام ابن سعد نے صحابی رسول اسیر بن عمرؓ کا موقف نقل کیا ہے:

أَخْبرَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى أُسَيْرٍ – رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صلّى الله عليه وسلم – حِينَ اسْتُخْلِفَ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: يقُولُونَ إِنَّ يَزِيدَ لَيْسَ بِخَيْرِ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ، وَلَا أَفْقَهِهَا فِقْهًا، وَلَا أَعْظَمِهَا فِيهَا شَرَفًا، وَأَنَا أَقُول ذَلِكَ، وَلَكِنْ وَاللَّهِ، لَأَنْ تَجْتَمِعَ أُمَّةُ مُحَمَّدٍ صلّى الله عليه وسلم أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَفَرَّقَ أَرَأَيْتَكُمْ بَابًا لَوْ دَخَلَ فِيهِ أُمَّةُ مُحَمَّدٍ صلّى الله عليه وسلم وَسِعَهُمْ، أَكَانَ يَعْجِزُ عَنْ رَجُلٍ وَاحِدٍ لَوْ دَخَلَ فِيهِ؟ قَالَ: قلْنَا: لَا قَالَ: أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَنَّ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صلّى الله عليه وسلم قَالَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ: لَا أُهْرِيقُ دَمَ أَخِي، وَلَا آخُذُ مَالَهُ، أَكَانَ هَذَا يَسَعُهُمْ؟ قَالَ: قُلْنَا: نعَمْ. قَالَ: فَذَلِكَ مَا أَقُولُ لَكُمْ[1].

حمید بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ ہم اسیر (ایک صحابی رسول ﷺ) کے پاس اس وقت حاضر ہوئے، جب یزید بن معاویہ خلیفہ بنا... تو انھوں نے کہا: لوگ کہتے ہیں

[1] الطبقات الكبري ط دار صادر ج ٧ ص ٦٧ ،تاريخ خليفة بن خياط ص ٢١٨ ،واسناده صحيح

کہ یزید امت محمدیہ میں نہ سب سے بہتر ہیں نہ سب سے بڑے عالم و فقیہ نہ ہی سب سے زیادہ عزت و شرف والا ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں... لیکن اللہ کی قسم! مجھے امت محمدیہ کا متحد و متفق رہنا، اس کے متفرق ہونے سے زیادہ محبوب ہے۔ تم بتاؤ کہ اگر کوئی ایسا دروازہ ہو جس میں اگر امت محمدیہ داخل ہو تو، تو وہ اس کو کشادہ ہو جائے تو کیا اگر ایک آدمی اس میں داخل ہو تو اس کو ناکافی ہو جائے گا؟ حمید نے کہتے ہیں اس پر ہم نے کہا: نہیں! انھوں نے کہا: بتاؤ اگر امت محمدیہ کا ہر آدمی کہے کہ میں اپنے بھائی کا خون نہیں بہاوں گا اور نہ اس کا مال لوں گا تو کیا یہ اس کو کشادہ ہو گا؟ حمید نے کہا: ہم نے کہا: ہاں! انہوں نے کہا: میں یہی کہتا ہوں۔

حضرت اسیر بن عمرؓ نے بیعت یزید کی اصل وجہ یہی بتائی ہے کہ امت کو اختلاف سے بچنا چاہیے۔ آپ نے کوئی فضائلِ یزید نہیں سنائے۔ اصحاب رسول کی خاموشی سے یہ استدلال کرنا کہ وہ یزید کو امام، افضل اور اہل وغیرہ تسلیم کرتے تھے تو یہ موقف کسی ایک بھی صحابی سے نہیں دکھایا جاسکتا ہے، جب کہ صحابی رسول کے نزدیک بھی یزید سب سے زیادہ عظمت والا تھا نہ ہی امت کے لیے خیر کا باعث تھا۔ وہ فقط امت میں اختلاف کے ڈر سے خاموش رہے۔ یہ بھی یاد رکھا جائے کہ جن اصحاب نے اختلاف کیا ہے ان کے ساتھ لوگوں کا اجتماع بھی تھا۔ اسی طرح اگر مخالفین کی یہ رائے ہے کہ ایسے ظالم حکمران کے خلاف تمام اصحاب کو نکلنا چاہیے تھا اور چوں کہ ان میں سے بہت سے اصحاب نے خاموشی اختیار کی ہے تو اس سے یہ استدلال کرنا کہ صحابہ کرام یزید کی اہلیت اور اس کی خلافت سے متفق تھے تو پھر یہ حامیان

یزید عبداللہ ابن عمرؓ کے اس عمل کا کیا جواب دیں گے کہ جنہوں نے حجاج کے خلاف بھی خروج نہیں کیا تھا، جب کہ حجاج کو باغی کہا۔

خلاصہ کلام

اس بحث کا اصل مقصد امام حسینؓ کا دفاع تھا کہ یزید کی بیعت نہ صرف اختلافی تھی بل کہ اس پر اعتراضات بھی ٹھوس کیے گئے تھے اس لیے اس کے خلاف امام حسینؓ اور امام ابن زبیرؓ کا نکلنا قطعاً غلط نہیں تھا۔ اور نہ ہی اہل حل وعقد کا اس کی بیعت پر متفق ہونا ثابت ہے۔ یاد رہے متقدمین کا ایک گروہ جن میں صحابہ کے ساتھ ساتھ کبار تابعین اور فقہاء ظالم حکمران کے خلاف خروج کو جائز سمجھتے تھے، اگر اہل حل وعقد کی سرپرستی میں یہ ممکن ہو اور اسی مؤقف کے تحت خروج ہوئے جن میں جلیل و قدر شخصیات شامل رہیں اور ان میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ سب ہی دنیا کے خواہش مند تھے ۔

خروج امام حسین رضی اللہ عنہ

ایک طبقے کی رائے ہے کہ امام حسینؓ کا خروج کرنا نا صرف غلط تھا بل کہ احادیث کے بھی صریح خلاف تھا۔ ہم اس سے قبل بیعت یزید کی نوعیت بھی واضح کر چکے ہیں، اس عنوان کے تحت امام حسینؓ کے حق پر ہونے کے دلائل ذکر کیے جائیں گے۔

امام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

ایک قسم ان حضرات کی ہے جو حکام کے ظلم و ستم اور سنت نبوی ﷺ پر ان کے عمل نہ کرنے پر دینی غیرت و حمیت پر نکلے... یہ سب اہل حق ہیں۔ حضرت حسین بن علیؓ اور اور اہل مدینہ جنہوں نے مقام حرہ میں جہاد کیا، اور وہ علماے کرام جو حجاج کے خلاف نکلے تھے سب کا شمار ان ہی اہل حق میں ہوتا ہے[1]۔

حافظ ابن حجر نے موقف اہل سنت واضح کر دیا ہے کہ امام حسینؓ کا خروج حق تھا۔ ایک روایت کے تحت امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

قلت:هذا يدل على تصويب عبد الله بن عمرو للحسين في مسيره،وهو رأي ابن الزبير وجماعة من الصحابة شهدوا الحرة[2].

میں کہتا ہوں کہ یہ واقعہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت حسینؓ کی کوفہ جانے کی مہم کو صحیح سمجھتے تھے اور یہی رائے حضرت ابن زبیرؓ اور صحابہ اکرامؓ کی ایک جماعت کی تھی، جو واقعہ حرہ میں شریک ہوئے۔

جس روایت کے ضمن میں امام ذہبی نے رائے ذکر کی ہے تو اس کا ایک راوی ضعیف ہے[3]۔ لیکن یہ روایت ان روایات سے بہتر ہے جو سند کے بغیر ہیں۔ اس معاملے میں صحابہ نے امام حسینؓ کو جانے سے روکا، بل کہ امام حسینؓ کی شہادت کے باوجود صحابہ کرام کی

---

[1] فتح الباری ج ۱۲ ص ۳٤۰

[2] سیر اعلام النبلاج ۳ص ۱۹۷ مطبوعہ مصر

[3] فرزدق شاعر کی معتبر توثیق نہ مل سکی، اس سے پیچھے کی سند کے راویان ثقہ ہیں۔

ایک جماعت حضرت ابن زبیرؓ کی سرکردگی میں نکلی، جن میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ، عبداللہ بن حنظلہؓ، عبداللہؓ بن زید بن عاصم، معقل بن سنانؓ اور عبداللہ بن مطیعؓ وغیرہ بھی شامل تھے، دلائل کا یہ موقع نہیں ہے۔

امام ابن کثیرؒ بھی اس موقف کی تائید میں کہتے ہیں:

بل کہ سب لوگوں کا میلان حضرت حسینؓ ہی کی طرف تھا کیوں کہ وہ سید کبیر اور آں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے تھے اور ان دنوں روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ان کے مماثل اور مساوی ہو، لیکن یزیدی حکومت سب کے سب آپ کی عداوت پر تلے ہوئے تھے [1]۔

امام ابن عماد حنبلیؒ کہتے ہیں :

والعلماء مجمعون على تصويب قتال علي لمخالفيه لأنه الإمام الحق،ونقل الاتفاق أيضا على تحسين خروج الحسين على يزيد، وخروج ابن الزبير [2].

امام حسینؓ کا یزید پر خروج کرنے پر بھی علماء اہل سنت کا اتفاق ہے اور تحسین کرنے میں بھی۔

ظالم بادشاہ کے خلاف کلمہ حق ادا کرنا افضل جہاد ہے۔ چناں چہ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں:

---

[1] البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۱۵۱

[2] شذرات الذھب ط بیروت ج ۱ ص ۲۷۵-۲۷۶

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَادَةَ الْوَاسِطِيُّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ يَعْنِي ابْنَ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَةَ، عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ أَوْ أَمِيرٍ جَائِرٍ[1].

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ یا ظالم حاکم کے پاس انصاف کی بات کہنا ہے۔

ظلم کی مذمت کا حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود دیا ہے اور اگر طاقت کے بل بوتے پر اسے ختم کیا جاسکتا ہو تو اس کا حکم بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، چناں چہ حدیث نبوی ہے:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ[2].

تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے روکے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا تو اسے اپنے دل میں برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔

جن احادیث میں ظالم کے خلاف جنگ کرنے کی ممانعت ہے، ان میں اُس خلیفہ کی خلاف ورزی سے منع کیا گیا ہے، جو متفقہ طور پر باقاعدہ خلیفہ بن گیا ہو، پھر اس کے ظلم پر

---

[1] سنن ابی داود ج ٤ ص ٤٣٤ ح ٤٣٤٤

[2] مسلم ج ١ ص ٦٩ ح ٧٨

صبر کیا جاے وہ بھی تب تک جب تک وہ نماز قائم کرے اور صریح کفر کا مرتکب نہ ہو اور اس کے اعمال براہ راست اسلامی تشخص پر کوئی منفی اثرات مرتب نہ کریں۔ وہ احادیث جن میں خروج سے منع کرنا موجود ہے اس میں "امام" سے کیا مراد ہے اس کی تشریح امام احمدؒ سے پیش کر دیتے ہیں۔

ابن ہانی کہتے ہیں:

سألت أبا عبد الله عن حديث النبي – صلى الله عليه وسلم –: من مات وليس له إمام مات ميتة جاهلية ، ما معناه؟ قال: تدري ما الإمام؟ الذي يجتمع المسلمون عليه، كلهم يقول: هذا إمام، فهذا معناه[1].

میں نے امام احمدؒ سے حدیث نبی ﷺ کے متعلق سوال کیا: جو اس حالت میں مرے کہ جس کا کوئی امام نہ ہو تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی، اس کا کیا معنی ہے؟" ابو عبداللہ نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو امام کیا ہوتا ہے؟ امام وہ ہوتا ہے کہ جس پر سب لوگ جمع ہو جائیں تو کہتے ہیں یہ ہے امام، یہ اس کا معنی ہے۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ ایسی تمام احادیث جن میں حاکم کے خلاف خروج کرنے کی نفی ہے، ان میں امام سے ایسے حاکم مراد ہیں جن کی خلافت پر اتفاق ہو جاے اور اہل حل و عقد فیصلہ کر لیں اس کے بعد وہ ظالم اور فاسق ظاہر ہوں۔ جب کہ یزید کی خلافت پر اتفاق نہیں ہوا تھا، اہل حجاز و کوفہ کو اختلاف تھا پھر ان شخصیات کے ہاں مثالی نظام (شورائی) سے ہٹ کر

---

[1] موسوعۃ اقوال الامام احمد ح ٣٩١٤

کوئی اور طرف جانا بالکل درست نہیں ہے اور امت میں جب اس قدر فضیلت والی جماعت موجود ہو تو بالکل نظام کو اس کی اصل پر ہی ہونا چاہیے اور کچھ جے ہاں سلطہ بھی میسر نہیں تھا ور کچھ اصحاب کے ہاں یزید حرام کاری میں معروف ہو چکا تھا جیسا کہ اہل مدینہ جس کے باعث اہل مدینہ کے اکابر نے مشکل فیصلہ کیا ان کا عمل خود ایک دلیل ہے۔اس کے علاوہ بھی عوامل ہیں جس کے باعث اس کے خلاف نکلنا جائز تھا، جس کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے۔مزید خروج کی ہر حالت میں نفی کرنے والوں کے رد میں امام ابن حزمؒ کی رائے یہ ہے:

وَيُقَال لَهُم مَا تَقولُونَ فِي سُلْطَان جعل الْيَهُود أَصْحَاب أمره وَالنَّصَارَى جنده، وألزم الْمُسلمين الْجِزْيَة وَحمل السَّيْف على أَطْفَال الْمُسلمين وأباح المسلمات للزِّنَا وَحمل السَّيْف على كل من وجد من الْمُسلمين وَملك نِسَاءَهُمْ وأطفالهم وأعلن الْعَبَث بهم وَهُوَ فِي كل ذَلِك مقرّ بِالْإِسْلَامِ مُعْلنا بِهِ لَا يدع الصَّلَاة فَإِن قَالُوا لَا يجوز الْقيام عَلَيْهِ بل قيل لَهُم أَنه لَا يدع مُسلما إِلَّا قَتله جملَة وَهَذَا أَن ترك أوجب ضَرُورَة أَلا يبْقى إِلَّا هُوَ وَحده وَأهل الْكفْر مَعَه فَإِن أَجَازُوا الصَّبْر على هَذَا خالفوا الْإِسْلَام جملَة وانسلخوا مِنْهُ وَإِن قَالُوا بل يُقَام عَلَيْهِ وَيُقَاتل وَهُوَ قَوْلهم قُلْنَا لَهُم فَإِن قتل تِسْعَة أعشار الْمُسلمين أَو جَمِيعهم إِلَّا وَاحِد مِنْهُم وَسبي من نِسَائِهِم كَذَلِك وَأخذ من أَمْوَالهم كَذَلِك فَإِن منعُوا من الْقيام عَلَيْهِ تناقضوا وَإِن أوجبوا سألناهم عَن أقل من ذَلِك وَلَا نزال نحيطهم إِلَى أَن نقف بهم على قتل مُسلم وَاحِدًا أَو على امْرَأَة وَاحِدَة أَو على أَخذ مَال أَو على انتهاك بشرة بظُلْم فَإِن فرقوا

بَين شَيْء من ذَلِك تناقضوا وتحكموا بِلَا دَلِيل وَهَذَا مَالا يجوز وَإِن أوجبوا إِنْكَار كل ذَلِك رجعُوا إِلَى الْحق ونسألهم عَمَّن غصب سُلْطَانه الجائر الْفَاجِر زَوجته وَابْنَته وَابْنه ليفسق بهم أَو ليفسق بِهِ بِنَفسِهِ أهوَ فِي سَعَة من إِسْلَام نَفسه وَامْرَأَته وَولده وَابنَته للفاحشة أم فرض عَلَيْهِ أَن يدْفع من أَرَادَ ذَلِك مِنْهُم فَإِن قَالُوا فرض عَلَيْهِ إِسْلَام نَفسه وَأَهله أَتَوا بعظيمة لَا يَقُولهَا مُسلم وَإِن قَالُوا بل فرض عَلَيْهِ أَن يمْتَنع من ذَلِك وَيُقَاتل رجعُوا إِلَى الْحق وَلزِمَ ذَلِك كل مُسلم فِي كل مُسلم وَفِي المَال كَذَلِك.قَالَ أَبُو مُحَمَّد وَالْوَاجِب أَن وَقع شَيْء من الْجور وَإِن قل أَن يكلم الإِمَام فِي ذَلِك وَيمْنَع مِنْهُ فَإِن امْتنع وراجع الْحق وأذعن للقود من الْبشرَة أَو من الْأَعْضَاء ولإقامة حد الزِّنَا وَالْقَذْف وَالْخمر عَلَيْهِ فَلَا سَبِيل إِلَى خلعه وَهُوَ إِمَام كَمَا كَانَ لَا يحل خلعه فَإِن امْتنع من إِنْفَاذ شَيْء من هَذِه الْوَاجِبَات عَلَيْهِ وَلم يُرَاجع وَجب خلعه وَإِقَامَة غَيره مِمَّن يقوم بِالْحَقِّ لقَوْله تَعَالَى {وتعاونوا على الْبر وَالتَّقوى وَلَا تعاونوا على الْإِثْم والعدوان }وَلَا يجوز تَضْيِيع شَيْء من وَاجِبَات الشَّرَائِع وَبِاللَّهِ تَعَالَى التوفِيق [1].

ابن حزمؒ کہتے ہیں: ''ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ تم اس حکم ران کے بارے میں کیا کہو گے جس نے اپنے اختیارات نصاری کے حوالے کر دیے ہیں، نصاری ہی اس کے ساتھی اور فوج ہیں اور مسلمانوں پر جزیہ لگا دیا ہے۔ مسلمان بچوں پر تلواریں

[1] الفصل فی الملل ج ٤ ص ١٣٤

نکال لی ہیں۔ مسلم عورتوں سے زنا کو جائز کر دیا ہے۔ جو بھی مسلمان مرد، اور بچہ انہیں نظر آتا ہے اس کو مارتے ہیں جب کہ یہ حکم ران خاموش تماشائی ہے اس کے باوجود خود کو مسلمان کہتا ہے نماز پڑھتا ہے؟ اگر یہ کہتے ہیں کہ اس حکم ران کے خلاف خروج پھر بھی جائز نہیں ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ اس طرح تو یہ تمام مسلمانوں کو ختم کر دے گا اور اکیلا ہی رہ جائے گا اور اس کے ساتھی کافر رہ جائیں گے؟ اگر یہ لوگ اس صورت میں بھی صبر کو جائز کہتے ہیں تو یہ اسلام کی مخالفت کرتے ہیں اس سے خارج ہوتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس حکم ران کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا چاہیے تو ہم کہیں گے کہ اگر نوے فی صد مسلمان مارے جاتے ہیں ان کی عورتیں پکڑ لی جاتی ہیں ان کا مال لوٹا جاتا ہے تو؟ اگر یہ خروج سے پھر بھی منع کرتے ہیں تو اپنی بات کی مخالفت کرتے ہیں اور اگر خروج کو واجب کرتے ہیں تو ہم ان سے مزید کم کے بارے میں سوال کریں گے یہاں تک کہ ہم ان سے پوچھیں گے کہ ایک مسلمان مارا جائے اور ایک مسلمان عورت پکڑ لی جائے یا ایک آدمی کا مال زبردستی لیا جائے تو؟ یہ فرق کرتے ہیں تو ان کی بات میں تضاد ہے اور یہ بات ان کی بلا دلیل ہے جو جائز نہیں اور اگر یہ خروج کو لازم قرار دیتے ہیں تو تب یہ حق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ اگر ایک ظالم حکم ران کسی شخص کی بیوی بیٹی اور بیٹے کو زبردستی اپنے قبضے میں لے کر ان سے غلط اور فسق کے کام کروانا چاہے تو کیا ایسے آدمی کو صرف اپنی جان بچانی چاہیے تو یہ ایسی بات ہے جو کوئی مسلمان نہیں کر سکتا اور اگر یہ کہتے ہیں کہ بیوی بچوں کو بچانے کے

لیے لڑنا چاہیے تو یہ ہے حق اور صحیح بات ہے۔اس طرز پر دیگر مسلمانوں کے مال و جان کے تحفظ کے لیے بھی حکم رانوں کے مقابلے پر آنا چاہیے۔ابو محمد کہتے ہیں: اگر معمولی سا بھی ظلم ہو تو امام سے اس بارے میں بات کرنا واجب ہے اور اسے روکنا چاہیے اگر وہ رک جاتا ہے اور حق کی طرف رجوع کرتا ہے اور زنا چوری وغیرہ کے حدود کے لیے تیار ہوتا ہے تو اس کی اطاعت سے نہیں نکلنا چاہیے اور اگر ان واجبات کے نفاذ سے انکار کرتا ہے تو اس کو ہٹا کر کسی اور کو اس کی جگہ امام مقرر کرنا چاہیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور تعاون کرو نیکی اور تقوی پر اور گناہ و زیادتی پر تعاون مت کرو۔شریعت کے واجبات میں سے کسی کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

امام ابن حزمؒ نے ان تمام احادیث پر بہت جامع کلام کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب ظلم و بربریت بڑھ جائے اور عوام مجموعی اعتبار سے محفوظ نا ہو تو ایسی صورت میں طاقت رکھنے والے اہل علم کو آگے آنا چاہیے، چوں کہ امام حسینؓ مجتہد ہونے کے ساتھ ساتھ سرداری کی تمام خصوصیات سے بھی متصف تھے اور آپ کے حق میں لوگ بھی نکلنا چاہتے تھے تو آپ کا یزید کی امارت کے خلاف نکلنا کسی بھی شرعی دلیل کے خلاف نہیں تھا۔ مزید براں امام حسینؓ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپؓ نے شرائط بھی رکھیں... جس کے بعد یزیدی فوج کے پاس کسی قسم کا عذر بھی باقی نہیں رہا چوں کہ باغی بھی صلح کی طرف آئیں تو ان سے جنگ جائز نہیں ہے۔اس کے علاوہ متشدد نظریات رکھنے والے لوگ جیسا کہ محدث ابن العربی اور ان کے پیروکار، تو ہم اللہ تعالی سے اس معاملے میں ان کے باطل نظریات سے پناہ

مانگتے ہیں۔اسلاف میں ایسا ایک بھی دکھایا نہیں جا سکتا جس نے امام حسین کو دنیا کا طالب یا ان کو قتل کرنے پر یزیدی فوج کی تحسین کی ہو، یہ باطل نظریات خلف میں چند کے ہیں جن کا اپنا اتنا قد نہیں ہے کہ ان کی ہر بات کا جواب بھی دیا جاے۔البتہ سنابلی صاحب کے "محدث" کے اس نظریے کو خود سنابلی صاحب نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے گزار دیا اور کوئی تبصرہ کرنا پسند نہیں کیا ہے۔اور ابن العربی کے عقائد پر بھی ہم یہاں وضاحت کریں تو ضرور سنابلی صاحب ابن عربیؒ صوفی سے اس وجہ سے تفریق نہیں کریں گئے چوں کہ یہ ان کے ہم مسلک نہیں ہیں۔ہمارا مقصد اگر صرف سنابلی صاحب کا رد ہوتا تو ضرور اس حوالے سے تشفی کرائی جاتی لیکن مقصد صرف ناصبیت مائل جمع شدہ مواد کا جواب دینا ہے۔

مزید امام حسین مجتہد تھے ان کے ہاں خلافت قائم نہیں ہوئی تھی اس لیے بھی ان کی یہ کوشش قابل گرفت نہیں ہے اور اہل حل وعقد کی غالب جماعت کے بغیر خلیفہ مقرر نہیں ہوتا[1] پھر کوفہ میں افرادی قوت دیکھتے ہوے انہوں نے غلبے کی امید کی۔

خلاصہ کلام

یزید کی امارت خلافت کے اصولوں پر قائم نہیں ہوئی تھی۔یزید متفقہ امام نہیں تھا،جب کہ خروج کی نفی میں وارد ہونے والی احادیث میں امام سے مراد ایسا خلیفہ ہے جس کی خلافت پر

---

[1] قاضی ابو یعلی الفراءؒ کہتے ہیں:"لأن الإمامة لا تنعقد للمعهود إليه بنفس العهد، وإنما تنعقد بعهد المسلمين."(الأحکام السلطانیۃ ص ۲۵)

اتفاق ہو یا اہل حل وعقد اس کی بیعت پر اتفاق کر چکے ہوں، یزید ظالم و جابر بادشاہ بھی تھا جب اس کا ظلم مجموعی اعتبار سے ظاہر ہوا تو لوگوں نے اس کے خلاف خروج کیا۔

کردار یزید دلائل کی روشنی میں

حامیانِ یزید دفاع کے لیے حدیث، اقوالِ صحابہؓ اور اقوالِ محدثینؒ کا سہارا لے کر یزید کو خلیفہ عادل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ذیل میں یزید کے کردار کو دیگر دلائل کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔

حدیث رسول کی روشنی میں

حامیانِ یزید نے بہت کوشش کی ہے کہ اُس کے سیاہ کارناموں سے اُس کا نام صاف کر دیا جائے، لیکن وہ ناکام رہے۔ خصوصاً واقعہ حرّہ، جس کا ذمہ دار یہی یزید تھا۔ مولانا کفایت اللہ سنابلی ہندی نے یزید کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا ردّ کیا ہے... اس مقصد کے لیے اُنھوں نے اپنی کتاب کے کافی صفحات کالے کیے ہیں، اور واقعہِ حرہ کا اصل ذمہ دار عبداللہ ابن زبیرؓ کو ٹھہرایا ہے۔

قارئین کرام! سب سے پہلے ہم اس معاملے کو احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں دیکھیں گے کہ واقعہ حرہ کے دوران برپا کیے جانے والے مظالم کی مثل پر کس قدر سخت وعید بزبانِ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وارد ہوئی ہے، پھر یہ جائزہ لیا جائے گا کہ اس کا حقیقی ذمے دار کون تھا۔

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں:

حدثنا هاشم، حدثنا إسحاق يعني ابن سعيد، حدثنا سعيد بن عمرو، قال: أتى عبد الله بن عمرو، ابن الزبير، وهو جالس في الحجر، فقال: يا ابن الزبير، إياك والإلحاد في حرم الله، فإني أشهد لسمعت رسول الله ﷺ يقول:يحلها ويحل به رجل من قريش، لو وزنت ذنوبه بذنوب الثقلين لوزنتها،قال: فانظر أن لا تكون هو يا ابن عمرو، فإنك قد قرأت الكتب، وصحبت الرسول ﷺ، قال: فإني أشهدك أن هذا وجهي إلى الشأم مجاهدا[1].

حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آئے تواِس وقت وہ حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے،انھوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے کہا: "اے ابن زبیرؓ آپ حرم میں فساد اور الحاد سے بچیں، کیوں کہ میں گواہی دے رہاہوں، میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا کہ قریش کا ایک شخص مکے کو حلال کرلے گا اور اس کے حلال کیے جانے کا سبب بنے گا، اگر اس کے گناہ جن و انس کے گناہ کے بالمقابل وزن کیے جائیں تو اس کے گناہ بھاری پڑ جائیں گے۔ پھر عبداللہ بن زبیر نے کہا: اے عبداللہ بن عمروؓ! آپ وہ آدمی نابننا، کیوں کہ آپ نے صحیفے پڑھے ہیں اور اللہ کے رسول کی صحبت اختیار کی ہے۔ اس پر عبداللہ بن عمروؓ نے کہا: میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں جہاد کے لیے شام جارہا ہوں۔

اس روایت کو سنابلی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۵۵۲ پر نقل کیا ہے اور استدلال کیا ہے کہ وہ فساد پھیلانے والے شخص صحابیِ رسول عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔ مزید براں

---

[1] مسند احمد ج ۲ ص ۲۱۹ واسنادہ صحیح

ایسے شخص کے گناہوں کے متعلق جو وعید نبی مکرم ﷺ نے سنائی تو اس کے حقیقی مصداق بھی صحابی رسول عبداللہ ابن زبیرؓ تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو روافض کا رد کرتے ہیں اور سکوت کے موقف پر دلائل دیتے ہیں، فیاللعجب...! اگر اس روایت کے متن پر نظر ڈالی جائے تو اس میں ایسی کوئی تصریح نہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اس حدیث کا مصداق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو ٹھہرا رہے ہیں۔ یہ استدلال جناب سنابلی صاحب کا ہی ہے، روایت کے الفاظ سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمروؓ نے تنبیہ کی ہے جناب عبداللہ ابن زبیرؓ کو، اور یہی بات تو حضرت ابن زبیرؓ نے بھی حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کو کہی ہے... تو کیا یہ مراد لے لیا جائے کہ ابن زبیرؓ نے اس حدیث کو عبداللہ ابن عمروؓ پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے؟ جو جواب آپ کی طرف سے اِس کا دیا جائے گا، بعینہ وہی ہماری طرف سے بھی رکھ لیجیے۔ مزید اِس روایت کا مخفی پہلو یہ بھی ہے کہ امام ابن زبیرؓ نے حدیثِ رسول کی صریح مخالفت کی... کہ جب ان کے سامنے حضرت ابن عمروؓ نے حدیث رکھ کر اعتراض کیا تو اس کے باوجود امام ابن زبیرؓ دنیا کے لالچ کے لیے فساد پھیلانے کے مرتکب ہوئے۔ یہ وہ اصل الفاظ ہیں جو سنابلی صاحب اور دیگر حامیانِ یزید کہنا چاہتے ہیں... لیکن کہہ نہیں پاتے۔ اس روایت سے وہی استدلال قائم ہوتا ہے، اگر اِس کے وہی معانی لیے جائیں جو سنابلی صاحب نے لیے ہیں۔ علاوہ ازیں اِس روایت کے آخری الفاظ کو علامہ سنابلی صاحب نے بڑی ہوشیاری سے ہضم کر لیا... گو کہ ہمیں یقین ہے وہ اس کی بھی کوئی من چاہی تاویل رکھتے ہوں گے، لیکن پھر بھی اِس حصے کی تشریح کیے بنا آگے بڑھ گئے۔ حضرت ابن عمروؓ نے جب حضرت ابن زبیرؓ کے کہنے پر فرمایا:

فإني أشهدك أن هذا وجهي إلى الشأم مجاهدا[1].

حضرت ابن عمروؓ کہتے ہیں: کہ میں شام کی طرف جہاد کرنے جارہاہوں۔

ہمارے نزدیک اس دور میں کوئی جہاد شام کی جانب نہیں ہورہا تھا ۔جہاں ابن عمروؓ شامل ہوتے، یہاں ابن عمروؓ کی مراد امام ابن زبیرؓ کے ساتھ مل کر یزید کے خلاف جہاد کرنے کی تھی۔سنابلی صاحب نے اس روایت سے قبل جو روایت نقل کی ہے۔اس میں بھی یہی الفاظ موجود ہیں:

ابو عمران عبدالملک بن حبیب کہتے ہیں کہ میں نے جندب بن عبداللہ سے کہا: میں نے عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت کرلی ہے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ شام جاؤں [2]۔

علامہ سنابلی صاحب نے اِس روایت کی تصحیح کی ہے،اس روایت میں بھی یہی الفاظ ہیں کہ ابو عمران کہتے ہیں کہ مجھے شام جاکر لڑنے کا کہا جارہاہے اور صحابی رسول عبداللہ بن عمروؓ بھی فرماتے ہیں کہ میں شام جہاد کے لیے جارہاہوں،اس سے یہی معانی مراد لیے جاسکتے ہیں کہ حضرت ابن عمروؓ حضرت ابن زبیرؓ کی طرف سے جہاد پر گئے۔اگرچہ یہ ثانوی بحث ہے اور اصل مدعا یہ ہے کہ ہمارے نزدیک فساد برپا کرنے والا شخص یزید ہی تھا، جس نے اہلِ مدینہ پر مختلف مظالم ڈھائے اور اِحراق کعبہ کا بھی مرتکب ہوا۔

چناں چہ امام طبرانیؒ بسند حضرت عروہ بن زبیرؓ سے نقل کرتے ہیں:

---

[1] نفس مصدر

[2] یزید بن معاویہ پر الزامات کا جائزہ ص ۵۵۱

یزید نے حضرت ابن زبیرؓ کے خلاف حصین بن نمیر الکندی کو لڑنے کے لیے بھیجا اور اُسے ہدایت دیتے ہوئے کہا: ''اے ابن برذعۃ الحمار! (گدھے کے بچے) قریش کی دھوکہ بازیوں سے بچ کر رہنا اور ان کے ساتھ نیزوں اور گھوڑوں سے معاملہ کرنا، چناں چہ حصین حملہ آور ہوا اور امام ابن زبیرؓ نے اس کے ساتھ بھرپور جنگ کی، لیکن حصین کی فوجوں نے کعبہ کو جلا ڈالا۔ پھر حصین کو یزید کی موت کی خبر پہنچی تو وہ خبر سنتے ہی وہاں سے بھاگ نکلا[1]۔

پس معلوم ہوا کہ حرم میں فساد برپا کرنے والا شخص یزید بن معاویہ تھا، جو لوگ اس کا ذمہ دار حضرت ابن زبیرؓ کو ٹھہراتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ ''صحابی'' کے اس عمل کو کھل کر بیان کریں۔ مزید اس روایت میں یزید کا موقف اصحابِ رسول کے متعلق بھی کھل کر واضح ہو گیا کہ وہ انہیں دھوکے باز اور مکار لوگوں کی صف میں کھڑا کرتا تھا۔ اسی لیے تو حصین بن نمیر کو کسی قسم کی رحم دلی سے منع کیا گیا یا یوں کہیں کہ یزید کا صاف حکم تھا کہ اگر یہ لوگ صلح کی طرف بھی آئیں تو اِن کے ساتھ جنگ کا معاملہ جاری رکھو۔ اس کے بعد بھی جو لوگ یزید کو محسن اور مجبور سمجھیں تو اُن کے لیے یہ روایت کافی ہے۔

مذکورہ روایت کے تمام راوی ثقہ و صدوق اور "غیر شیعہ " ہیں۔ ان کے مختصر حالات درج ذیل ہیں:

۱: علی بن مبارک الصنعانی

[1] المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۳ ص ۹۶، اسنادہ حسن

علی بن محمد بن عبداللہ ابن مبارک ابوالحسن الصنعانی امام طبرانی کے شیخ ہیں، امام طبرانی نے بکثرت علی بن مبارک سے روایت کیا ہے۔ان کی ایک روایت کے متعلق امام الناقد زین الدین عراقیؒ کہتے ہیں:

هذا حديثٌ حسنٌ، ورجاله كلهم ثقاتٌ، أخرجه الطبراني في الكبير هكذا[1].

ثابت ہوا کہ امام عراقی کے نزدیک علی بن مبارک ثقہ ہیں۔

امام حاکمؒ نے ان کی ایک روایت کی تحسین کی ہے:

صحيح الإسناد ولم يخرجاه[2].

امام ضیاء الدین مقدسیؒ نے المختارہ میں ان سے روایت کی ہے۔اور مقدسی اپنے نزدیک صحیح و حسن روایات کو کتاب میں لکھتے ہیں تو یوں علی بن مبارک صنعانی کی بھی توثیق ہو گیٔ کیوں کہ روایت کی تصحیح و تحسین، رواۃ کی توثیق کو مستلزم ہے[3]۔امام ابو عوانہؒ نے بھی ان سے روایت کیا ہے[4]۔

ان تمام توثیقات کی موجودگی میں راوی حسن درجہ سے نہیں گرتا۔ان کے متعلق امام ہیثمیؒ کہتے ہیں:

---

[1] معجۃ القرب ص ۲۲۸

[2] المستدرک علی الصحیحین ج ٤ ص ١٥٦

[3] المختارہ للمقدسی ج ۸ ص ٦٥

[4] المستخرج ج ۱ ص ٢٤ ح ٢٢

لم اعرفه[1].

امام ہیثمیؒ کی رائے جمہور کے خلاف ہونے کے باعث قابل استدلال نہیں ہے، کیوں کہ دیگر علماء سے اس راوی کی تعدیل مروی ہے۔

۲: زید بن مبارک الصنعانی

امام بن حبانؒ نے کتاب الثقات میں شمار کیا ہے[2]۔

امام ابو حاتم انہیں صدوق کہتے ہیں[3]۔

امام ابن حجرؒ کہتے ہیں:

صدوق عابد[4].

زید بن مبارک صدوق راوی ہے اور اس پر کسی قسم کی جرح موجود نہیں ہے۔امام ابو نعیم الاصفہانی نے یزید بن مبارک جو نقل کیا ہے تو یہ ان کا سہو ہے یا کتابت کی غلطی ہے، چوں کہ خود سنابلی صاحب بھی اسے تسلیم کرتے ہیں اس لیے ہم نے اس پر بحث نہیں کی ہے۔

۳: ابو ہشام عبد الملک بن عبد الرحمن ذماری

---

[1] المجمع الزوائد ج ٦ ص ٢٩٣

[2] الثقات، ج ٨ ص ٢٥١

[3] الجرح والتعدیل ج ٣ ص ٥٧٣

[4] تقریب ج ١ ص ٢٢٤

عبدالملک الذماری کے تعین میں سنابلی صاحب سے خطاء ہوئی ہے، وہ اسے ابو العباس عبد الملک الشامی سمجھ بیٹھے... جب کہ یہ دو الگ الگ راوی ہیں۔

اس راوی کا تعین مندرجہ ذیل دلائل سے کیا گیا ہے:

۱: امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ''تاریخ الکبیر'' میں تفریق کی ہے۔

عبد الملك بن عبد الرحمن، أبو هشام،الذماري. وذمار قرية باليمن على مرحلتين من صنعاء. وقال إسحاق: عبد الملك بن مُحَمَّد سمع الثوري. قال أحمد: هو عبد الملك بن عبد الرحمن الأبناوي.

یہ اس روایت کا راوی ہے۔ جب کہ دوسرا راوی ضعیف اور منکر الحدیث ہے، جسے سنابلی صاحب اول الذکر راوی سے ملا رہے ہیں، امام بخاری نے امام احمد بن حنبل کا قول بھی بطور دلیل پیش کیا ہے۔ امام بخاری نے عبدالملک شامی کا ترجمہ الگ سے لکھا ہے:

عبد الملك بن عبد الرحمن، أبو العباس أصله شامي،نزل البصرة.عن الأوزاعي، وابن أبي عبلة.ضعفه عمرو بن علي جدا.منكر الحديث[1].

۲: امام مسلمؒ نے بھی ان دونوں راویان میں تفریق کی ہے، وہ اپنی کتاب ''الکنی والاسماء'' میں رقم طراز ہیں:

---

[1] التاریخ الکبیر ح ۱۳۷۲

أبو العباس عبد الملك بن عبد الرحمن الشامي سكن البصرة عن الأوزاعي[1].

ایک جگہ کہتے ہیں:

أبو هشام عبد الملك بن عبد الرحمن الذماري سمع الثوري، روى عنه إسحاق وبشر بن الحكم ومُحَمَّد بن رافع[2].

ثابت ہوا امام مسلم کے ہاں بھی تفریق ہی راجح ہے۔

۳: امام عمرو بن علی الصیرفی الفلاسؒ کی تفریق

عبد الملک بن عبد الرحمن الذماری کے متعلق ثقہ کہتے ہیں، جب کہ شامی راوی پر کذاب کی جرح کرتے ہیں۔

۴: امام ابن حبانؒ:

سنابلی صاحب نے امام ابن حبانؒ کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ چوں کہ انہوں نے الگ سے بیان نہیں کیا، اس لیے ان کے نزدیک بھی ایک ہی راوی ہے، امام ابن حبانؒ کی طرف یہ نسبت کر کے سنابلی صاحب نے عوام کو بے وقوف بنایا ہے۔

---

[1] الکنی والاسماء ح ۲۴۵۹

[2] الکنی والأسماء ح ۳۹۹۴

ابن حبانؒ کہتے ہیں:

عبد الملك بن عبد الرحمن الذماري من أهل اليمن كنيته أبو هشام وذمارقرية على مرحلة من صنعاء يروي عن الثوري روى عنه إبراهيم بن مُحَمَّد بن عرعرة ونوح بن حبيب البذشي[1].

ابن حبانؒ اسے شامی کہتے ہیں نہ ہی ابو العباس...! لیکن سنابلی صاحب نے بلادلیل امام ابن حبان کی طرف یہ بات منسوب کر دی۔ جب کہ امام ابن حبانؒ نے بھی تفریق کر رکھی ہے۔

امام ابن حجرؒ کہتے ہیں:

قال ابن حبان ويقال: ابن عبدالله.نزل البصرة. قال ابن حبان: كان ممن يسرق الحديث.روى عنه إبراهيم بن مُحَمَّد بن عرعرة[2].

عبدالملک بن عبدالرحمن جو کہ ابن عبدالعزیز بھی ہیں، اس پر امام ابن حبانؒ نے جرح کی ہے، اس سے تفریق ثابت ہوگئی۔ ''المجروحین'' میں ابن حبانؒ نے اس راوی کا ترجمہ الگ سے نقل کیا ہے۔

۵: امام ابن ابی حاتمؒ نے بھی تفریق کی ہے، لیکن سنابلی صاحب نے ان کی کتاب سے حوالے نقل کرنے کے بعد کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیں ہیں۔

---

[1] الثقات ح ۱۴۰۱۳

[2] لسان المیزان ت ابی غدۃ ح ۴۹۲۰

٦: امام ابن حجر عسقلانیؒ نے ''تھذیب التھذیب'' میں نہ صرف تفریق کی ہے بل کہ تفصیلاً ذکر کیا ہے کہ جس راوی پر ائمہ نے جرح کی وہ الگ ہے۔ دیکھیے تھذیب التھذیب تحت ترجمہ عبد الملک بن عبد الرحمن الذماري۔

سنابلی صاحب نے امام ابن عدیؒ اور امام عقیلیؒ کی طرف یہ نسبت بھی غلط کی ہے کہ یہ محدثین انہیں ایک ہی راوی سمجھتے تھے، جب کہ دونوں محدثین نے اپنی ضعفاء پر لکھی گئی کتب میں محض ضعیف راوی ابو العباس عبد الملک بن عبد الرحمن الشامی کا ذکر کیا ہے، لیکن سنابلی صاحب نجانے کس وجہ سے انہیں اپنی دلیل میں شمار کر رہے ہیں۔ چناں چہ ثابت ہوا کہ متقدمین و متاخرین کے ہاں تفریق ہی راجح ہے اور دلائل بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

سنابلی صاحب نے امام ذھبیؒ کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔ عرض ہے کہ امام ذھبیؒ تذبذب کا شکار رہے ہیں اور بعد میں وہ خود بھی تفریق کرتے ہیں، جیسا کہ سنابلی صاحب نے کہا کہ جب محدث الگ الگ نام نہ لکھے تو مراد یہی ہے کہ اس کے نزدیک یہ ایک ہی راوی ہے۔ جیسے امام ابن حبانؒ، امام ابن عدیؒ اور امام عقیلیؒ کی طرف غلط نسبت کی ہے تو آیئے اِسی اصول کی روشنی میں امام ذھبیؒ کے قول کو دیکھا جائے:

عبد الملك بن عبد الرحمن،وقيل: ابن مُحَمَّد الأنباوي، سمع الثوري[1].

دوسرے مقام پر کہتے ہیں:

عبد الملك بن عبد الرحمن الشامي، بالبصرة، لين[2].

امام ذھبیؒ کی تحقیق پر اعتبار کرنے والے خود بتادیں کہ ان کے اصول کے تحت تو امام ذھبیؒ نے دونوں راویان کی تفریق کردی ہے، امام ذھبی کی تحقیق امام ابن حجر عسقلانی کے سامنے بھی تھی اس لیے انہوں نے دلائل کے ساتھ تھذیب التھذیب میں اس سہو پر متنبہ کیاہے۔اوران ہی کے دلائل کو ہم ذکر کر آئے ہیں۔

عبدالرحمن بن عبدالملک الذماری کی توثیق

امام ابن ابی حاتم کہتے ہیں:

نا عبد الرحمن حدثني أبي نا عمرو بن علي الصيرفي نا عبد الملك بن عبد الرحمن الذماری: وكان ثقة[3].

عمرو بن علی الصیرفی نے کہا کہ ہم نے عبدالملک بن عبدالرحمن الذماری سے سنا ہے اور وہ ثقہ تھے۔

امام ابن حبانؒ کہتے ہیں:

---

[1] المقتنى في سرد الكنى ح ٦٣٨٧

[2] المقتني في سرد الكني ح ٣٤٨٠

[3] الجرح والتعدیل ج ٥ ص ٣٦٥

عبد الْملك بْن عَبْد الرَّحْمَنِ الذمارِي من أهل الْيمن كنيته أَبُو هِشَام[1].

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الذِّمَارِيُّ....[2]

عبد الملک بن عبد الرحمن الذماری امام احمد بن حنبلؒ کے روایت میں شیخ ہیں اور سنابلی صاحب فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ صرف ثقہ سے ہی روایات لیتے ہیں اور ان کے تمام "شیوخ" ثقہ ہیں[3]۔

امام ابن حجر عسقلانیؒ ان کی ایک روایت پر کہتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ حَسَن[4].

امام ابن حجر نے ان کو ایک جگہ صدوق کہا ہے[5]۔امام حاکمؒ نے ان کی روایت کی تصحیح کی ہے[6]۔رامام ابو عوانہؒ نے ان سے روایات اپنی صحیح میں لی ہے[7]۔

علامہ ہیثمیؒ ان کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں:

---

[1] الثقات ج۸ص۳۸۶

[2] مسند الامام احمد ط الرسالہ ج۱۶ص۲۷۶-۲۷۷ ح ۱۰۴۴۸

[3] اثبات الدلیل علی التوثیق مؤمل بن اسماعیل ص ۱۳

[4] المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ ج۱۲ص۳۳۴

[5] التقریب التھذیب ح۴۲۱۹

[6] المستدرک علی الصحیحین، ج۲ص ۸۳

[7] مستخرج او مسند ابو عوانہ ج۳ص۸۱

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَإِسْنَادُهُ جَيِّد[1].

اس روایت پر جو تمام تر اعتراضات تھے، ان کے ہم نے مدلل جواب دے دیے ہیں، الحمد للہ..!

نوٹ: سنابلی صاحب نے یہ اعتراضات میرے جوابات کے جواب الجواب لکھتے ہوئے اپنی آفیشل آئی ڈی سے کیے تھے، جن کا جواب اُدھر ہی دے دیا گیا تھا لیکن ان کی طرف سے پھر جواب نہ آسکا امید ہے کہ وہ ہمارے اعتراضات کا جواب اپنی کتاب کے اگلے ایڈیشن میں دے دیں گے۔

مدینہ میں ظلم برپا کرنے پر اور بھی شواھد موجود ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ مذکورہ حدیث کا مصداق یزید ہی ہے، امام بخاریؒ کہتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ مُحَارِبٍ، سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ، يَقُولُ : بِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعِيرًا فِي سَفَرٍ ، فَلَمَّا أَتَيْنَا الْمَدِينَةَ ، قَالَ : ائْتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ فَوَزَنَ.قَالَ شُعْبَةُ : أُرَاهُ فَوَزَنَ لِي فَأَرْجَحَ،فَمَا زَالَ مَعِي مِنهَا شَيْءٌ حَتَّى أَصَابَهَا أَهْلُ الشَّأْمِ يومَ الْحَرَّةِ[2].

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفر میں ایک اونٹ بیچا تھا۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وزن کیا۔ شعبہ نے بیان کیا، میرا خیال ہے کہ (جابرؓ نے کہا) میرے

---

[1] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۱۰ ص ۲۵۰

[2] صحیح بخاری ح ۲۶۰۴

لیے وزن کیا (آپ ﷺ کے حکم سے بلالؓ نے) اور (اس پلڑے کو جس میں سکہ تھا) جھکا دیا۔ (تاکہ مجھے زیادہ ملے) اس میں سے کچھ تھوڑا سا میرے پاس جب سے محفوظ تھا۔ لیکن شام والے (یزیدی فوج) یوم حرہ کے موقع پر مجھ سے چھین کر لے گئے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ جو کہ عمر رسیدہ تھے اور جنہوں نے خروج میں بھی حصہ نہیں لیا تھا ان کا بھی مال لوٹ لیا گیا، بالفرض یہ مان لیا جائے کہ میدان جنگ میں بغاوت کو کچلنے کی کوشش کی گئی، تو اس عمل کی کیا توجیح ہو گی؟ کیا اسلامی لشکر ایسا ہوتا ہے؟ کیا باغیان کے ساتھ یہ سلوک اس سے پہلے رکھا گیا؟ اور وہ لوگ جو خروج میں بھی شامل نہیں تھے ان کو بھی معاف نہیں کیا گیا تو جنہوں نے عملا حصہ لیا ان پر کیا ظلم کیے گئے ہوں گے۔

امام احمدؒ کہتے ہیں:

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ أَمِيرًا مِنْ أُمَرَاءِ الْفِتْنَةِ قَدِمَ الْمَدِينَةَ وَكَانَ قَدْ ذَهَبَ بَصَرُ جَابِرٍ فَقِيلَ لِجَابِرٍ لَوْ تَنَحَّيْتَ عَنْهُ فَخَرَجَ يَمْشِي بَيْنَ ابْنَيْهِ فَنُكِّبَ فَقَالَ تَعِسَ مَنْ أَخَافَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ابْنَاهُ أَوْ أَحَدُهُمَا يَا أَبَتِ وَكَيْفَ أَخَافَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ مَاتَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَخَافَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ فَقَدْ أَخَافَ مَا بَيْنَ جَنْبَيَّ[1].

[1] مسند احمد ح ۱۴۸۱۸، وسندہ صحیح

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ایام فتنہ میں کوئی گورنر مدینہ منورہ آیا اس وقت تک حضرت جابرؓ کی بینائی ختم ہو چکی تھی کسی نے حضرت جابرؓ سے کہا کہ اگر آپ ایک طرف کو ہو جائیں تو اچھا ہے اس پر وہ اپنے دو بیٹوں کے سہارے چلتے ہوئے باہر آئے اور فرمایا وہ شخص تباہ ہو جائے جو نبی ﷺ کو خوفزدہ کرتا ہے ان کے کسی بیٹے نے پوچھا ابا جان نبی ﷺ تو وصال فرما چکے اب انہیں کوئی کیسے ڈرا سکتا ہے انہوں نے فرمایا میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو اہل مدینہ کو خوفزدہ کرتا ہے وہ میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان کی چیز کو خوفزدہ کرتا ہے۔

امام مسلمؒ کہتے ہیں:

وحدثنا قتيبة بن سعيد،حدثنا ليث،عن سعيد بن ابي سعيد،عن ابي سعيد مولى المهري: انه جاء ابا سعيد الخدري ليالي الحرة، فاستشاره في الجلاء من المدينة،وشكا إليه اسعارها، وكثرة عياله، واخبره ان لا صبر له على جهد المدينة ولاوائها، فقال له: ويحك لا آمرك بذلك إني سمعت رسول الله ﷺ، يقول:لا يصبر احد على لاوائها فيموت، إلا كنت له شفيعا، او شهيدا يوم القيامة إذا كان مسلما[1].

ابو سعید مولیٰ مہری سے روایت ہے کہ وہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے حرہ کی راتوں میں (یعنی جن دنوں مدینہ طیبہ میں ظالموں نے مدینہ طیبہ کو لوٹا ہے) اور مشورہ کیا ان سے کہ مدینہ سے کہیں اور چلے جائیں اور شکایت کی ان سے وہاں کی گرانی نرخ کی اور کثرت عیال کی اور خبر دی ان کو کہ مجھے صبر نہیں آ

[1] صحیح مسلم ح ۳۰۳۳

سکتا مدینہ کی محنت اور بھوک پر، تو سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ خرابی ہو تیری میں تجھے تھوڑے یہاں رہنے کا حکم کرتا ہوں بلکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے: کہ صبر نہیں کرتا ہے کوئی یہاں کی تکلیفوں پر اور پھر مر جاتا ہے مگر اس کا شفیع یا گواہ ہوں قیامت کے دن جب وہ مسلمان ہو۔

اہل مدینہ پر ظلم کے حوالے سے اور بھی پیش کیا جا سکتا ہے لیکن یہ سمجھنے والوں کے لیے کافی ہے کہ کس طرح یزیدی فوج نے ظلم کیے یہاں تک کہ پناہ حاصل کرنے والوں کا بھی پیچھا کیا جیسے سیدنا ابو سعید خدریؓ کا واقعہ ہے[1] اور اصحابؓ کا مال لوٹنا یہ سب یزید کے حکم کے بغیر ہوتا رہا تو یہ ناممکن ہے چوں کہ واقعہ کربلا کے بعد پھر سے انتظامی غفلت کی تاویل پیش نہیں کی جا سکتی۔

صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی روشنی میں

---

[1] حَدَّثَنَا وهب بْن جرير قَالَ نَا أَبُو عقيل الدَّوْرَقِي قَالَ سَمِعت أَبَا نَضرة يحدث قَالَ دخل أَبُو سعيد الْخُدْرِيّ يَوْم الْحَرَّة غارا فَدخل عَلَيْهِ رجل ثمَّ خرج فَقَالَ لرجل من أهل الشَّام أدلك عَلَى رجل تقتلهفَلَمَّا انْتهى الشَّامي إِلَى بَاب الْغَار وَقَالَ لأبي سعيد وَفِي عَنق أَبِي سعيد السَّيْف اخْرُج إِلَيّ قَالَ لَا وَإِن تدخل عَلِيّ أَقْتلك فَدخل الشَّامي فَوضع أَبُو سعيد السَّيْف وَقَالَ بوء بإثمي وإثمك وَكن من أَصْحَاب النَّار وَذَلِكَ جَزَاء الظَّالِمين فَقَالَ أَبُو سعيد الْخُدْرِيّ أَنْت قَالَ نعم قَالَ فَاسْتَغْفر لي قَالَ غفرالله لَك.(تاریخ خلیفۃ بن خیاط ص ۲۳۹، وسندہ جید)

ما قبل ہم صحابہ کرامؓ کے موقف ذکر کر آئے ہیں، اب اِس عنوان کے تحت سنابلی صاحب کے دلائل کا جائزہ لیا جائے گا، سنابلی صاحب نے بعنوان یزید کے اخلاق و کردار کے تحت احادیث رسول ﷺ، اقوالِ صحابہؓ اور اقوال تابعینؒ سے استدلال کیا... احادیثِ رسول ﷺ میں چوں کہ دلائل کمزور ہیں اور کھینچ تان کر فضائل بنائے گئے اور غیر متعلق مبحث جس کا ہماری بحث سے تعلق نہیں جیسے بارہ خلفا والی حدیث میں اپنے مرضی کی شرح جو کسی پر حجت نہیں اسی طرح حدیث قسطنطنیہ کے تحت ایک طویل بحث کی گئی جس سے ہماری بحث کا کوئی تعلق نہیں، نہ ہی یزید کی شخصیت سے ہمیں کوئی سروکار ہے چوں کہ جتنے بھی جرائم ہیں وہ اس کے بعد کے ہیں اگر واقعی یزید اس معارکہ میں موجود تھا، اس لیے اس بحث کی بجائے حامیان یزید کے اصل دلائل کا محاسبہ کیا جائے گا۔ اصحابِ رسول کے تعلق سے سنابلی صاحب نے حضرت ابن عباسؓ کے اثر سے استدلال کیا ہے۔ ذیل میں اِس اثر کی سند کی فنی حیثیت واضح کی گئی ہے۔

صحابی رسول عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف

حضرت ابن عباسؓ سے یزید کی مدح میں ایک اثر بہت نقل کیا جاتا ہے، کفایت اللہ سنابلی نے اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یزید صحابہ کرام کے ہاں صالح تھا۔ اس اثر کے باعث بہت سے لوگوں نے کف لسانی بھی کی... حالاں کہ یہ سیدنا ابن عباسؓ سے ثابت نہیں ہے۔ سنابلی صاحب کہتے ہیں:

امام أحمد بن يحيى، البلَاذُري (المتوفی ۲۷۹) اپنے استاد امام مدائنیؒ سے نقل کرتے ہیں:

الْمَدَائِنِيّ عَنْ عبد الرحمن بْن مُعَاوِيَة قَالَ، قَالَ عامر بْن مسعود الجمحي: إنا لبمكة إذ مر بنا بريد ينعى مُعَاوِيَة، فنهضنا إلى ابن عباس وهو بمكة وعنده جماعة وقد وضعت المائدة ولم يؤت بالطعام فقلنا له: يا أبا العباس، جاء البريد بموت معاوية فوجم طويلًا ثم قَالَ: اللَّهم أوسع لِمُعَاوِيَةَ، أما واللَّه ما كان مثل من قبله ولا يأتي بعده مثله وإن ابنه يزيد لمن صالحي أهله فالزموا مجالسكم وأعطوا طاعتكم وبيعتكم، هات طعامك يا غلام، قَالَ: فبينا نحن كذلك إذ جاء رسول خالد بْن العاص وهو على مَكَّة يدعوه للبيعة فَقَالَ: قل له اقض حاجتك فيما بينك وبين من حضرك فإذا أمسينا جئتك، فرجع الرسول فَقَالَ: لا بدّ من حضورك فمضى فبايع.

[أنساب الأشراف للبلاذري: ۵/ ۲۹۰، واسنادہ حسن لذاتہ]

عامر بن مسعود کہتے ہیں کہ ہم مکہ میں تھے کہ امیر معاویہؓ کی وفات کی خبر دینے والا ہمارے پاس سے گزرا تو ہم عبداللہ بن عباسؓ کے پاس پہنچے۔ وہ بھی مکہ ہی میں تھے۔ وہ کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور دستر خوان لگایا جا چکا تھا، لیکن ابھی کھانا نہیں آیا تھا، تو ہم نے ان سے کہا: ''اے ابوالعباس! ایک قاصد امیر معاویہؓ کی وفات کی خبر لایا ہے۔'' یہ سن کر عبداللہ بن عباسؓ کچھ دیر تک خاموش رہے... پھر فرمایا: ''اے اللہ! معاویہؓ پر اپنی رحمت وسیع فرما۔ یقیناً آپؓ ان لوگوں کے مثل تو نہ تھے جو آپ سے پہلے گذر چکے، لیکن آپؓ کے بعد بھی آپؓ جیسا کوئی نہ دیکھنے کو ملے گا، اور آپؓ کے صاحبزادے یزید بن معاویہ آپؓ کے خاندان کے

نیک و صالح ترین شخص ہیں، اس لیے اے لوگو! اپنی اپنی جگہوں پر رہو اور ان کی مکمل اطاعت کر کے ان کی بیعت کر لو۔'' (اس کے بعد غلام سے کہا) ''اے غلام! کھانا لے کر آؤ۔'' عامر بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم اسی حالت میں تھے کہ خالد بن العاص المخزومیؓ کا قاصد آیا، وہ اس وقت مکہ کے عامل تھے، اس نے عبداللہ بن عباسؓ کو بیعت کے لیے بلایا، عبداللہ بن عباسؓ نے کہا: ''اس سے کہہ دو کہ پہلے دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنا کام ختم کر لے اور شام ہو گی تو ہم اس کے پاس آجائیں گے۔'' (یہ سن کر قاصد چلا گیا) اور پھر واپس آیا اور کہا: ''آپ کا حاضر ہونا ضروری ہے۔'' پھر آپ گئے اور (یزید کی) بیعت کر لی[1]۔

جیسا کہ سنابلی صاحب نے باور کرایا ہے کہ سند میں راوی عبدالرحمن بن معاویہ دراصل عبدالرحمن بن معاویہ ابوالحویرث المدنی ہیں۔ اس پر دلیل قائم کرتے ہوئے ایک اصول وضع کرتے ہیں کہ:

اس طبقے میں کیوں کہ عبدالرحمن بن معاویہ کے نام سے یہی مشہور ہیں اور کسی طبقے میں جب کسی راوی کا نام مطلق ذکر ہو تو اس نام سے جو مشہور راوی ہوتا ہے، وہی مراد ہوتا ہے[2]۔

قارئین کرام! اس اصول کو ضرور یاد رکھیئے گا، البتہ سنابلی صاحب نے کوئی بھی صریح دلائل نقل نہیں کیے کہ مدائنی کہ استاد یہی عبدالرحمن بن معاویہ ابی الحویرث ہیں یا عامر بن

---

[1] یزید بن معاویہ پر الزمات کا تحقیقی جائزہ ص ٦٢٧

[2] یزید بن معاویہ ہر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ٦٣٢

مسعود کے شاگرد ہیں، جب کہ اس کے برعکس ظنی باتیں کی ہیں، خیر ہم ان کے مقابلے میں صریح دلیل رکھتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنابلی صاحب کا تعین غلط ہے۔

چناں چہ احمد بن یحیی بلاذری کہتے ہیں:

الْمَدَائِنِيّ عَن عَبْد الرّحْمَنِ بْن مُعَاوِيَةَ الزيادى....[1]

اس سند سے معلوم ہو گیا کہ مدائنی کے شیخ عبدالرحمن بن معاویہ الزیادی ہیں نہ کہ عبدالرحمن بن معاویہ المدنی الزرقی...! عبدالرحمن بن معاویہ الزیادی کے حالات ہمیں نہیں مل سکے، اس لیے یہ راوی مجھول العین ہے اور اثر ابن عباس بالکل ضعیف و مردود ہے۔

اس روایت پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ سند کے راوی **"عامر بن مسعود"** کی بھی صریح توثیق موجود نہیں ہے۔ سنابلی صاحب نے امام ابن حبانؒ، امام ابن خزیمہؒ اور امام مقدسیؒ سے تعدیل نقل کی ہیں۔ جب کہ اس راوی کا شمار تابعین میں ہوتا ہے، لیکن ایسے راوی کے تعلق سے محدثین کا کوئی کلام نہیں ملتا... مزید امام ابن حبانؒ متساہل ہیں، اس لیے محدثین کے ہاں اِن کی منفرد توثیق معتبر نہیں ہوتی اور امام مقدسیؒ اور امام ابن خزیمہؒ کے متعلق معلوم نہیں کہ اُنہوں نے صحبت کے باعث اُن کی روایت اپنی کتاب میں لی ہے یا تعدیل مراد ہے۔ یہاں معاملہ غیر واضح ہے، اور صرف گمان کے باعث راوی کی توثیق معتبر نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ امام مقدسیؒ کہتے ہیں:

---

[1] أنساب الأشراف للبلاذری ج ۷ ص ۲٤٦

عامر بن مسعود بن عامر خلف بن وهب القرشي الجمحي رضي الله عنه وقد اختلف في صحبته قال الإمام أحمد أرى له صحبة وقال يحيى بن معين ليست له صحبة والله أعلم[1].

اس عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام ضیاء الدین مقدسیؒ عامر بن مسعود کو صحابی مانتے ہیں۔ جب کہ دلائل اسی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ صحابی نہیں ہیں۔ خود سنابلی صاحب کی بھی یہی رائے ہے، تو ظاہر ہے کہ تابعی کی توثیق درکار ہے اور یہی معاملہ امام ابن خزیمہؒ کا ہے، چوں کہ وہ اس روایت کو اپنی ''صحیح'' میں لے کر آئے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ وہ ایک مرسل کو ''صحیح'' میں لے کر آئیں اور اسے صحیح بھی سمجھیں۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ مدائنی کے عبدالرحمن بن معاویہ ابی الحویورث سے سماع پر صریح دلائل موجود نہیں اور ظنی دلائل بھی کمزور ہیں۔ محض ظن کے باعث روایت کی تصحیح کیسے کی جاسکتی ہے؟ جب کہ سنابلی صاحب مدائنی کو عبدالرحمن بن معاویہ المدنی کا ہم عصر تک بھی ثابت نہیں کر سکتے... اور روایت کو اسنادہ صحیح وحسن لذاتہ کہتے ہیں۔ فیاللعجب !

سنابلی صاحب نے جتنی بھی تواریخِ وفات نقل کی ہیں، ان میں سے کسی سے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مدائنیؒ ہم عصر ہیں، بل کہ ان کا اس دور میں پیدا ہونا بھی ثابت نہیں ہے۔ سوائے قولِ حسین بن فہم کے... جو کہ خود سنابلی صاحب تسلیم کر چکے ہیں، کہ یہ ثابت نہیں ہے۔ ذرا ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ان میں سے کوئی قول بھی صحیح سند سے ثابت نہیں[1]۔

---

[1] الأحادیث المختارۃ ج ۸ ص ۲۰۸

یہاں سنابلی صاحب نے دو باتوں کو ملا دیا ہے، ایک ہے حسین بن فہم تک قول کا ثابت ہونا اور ایک ہے مدائنی کے ہم عصر کے قول کا ہونا، بعد والے علماء کا قول ان کے اپنے علم کے مطابق ہی ہے، لیکن حسین بن فہم تک تو قول ہی سنداً ثابت نہیں ہے تو جو قول ثابت ہی نہیں... اس کا مقابلہ ایسے قول سے کیسے کیا جا سکتا ہے جو ثابت ہے؟ اور تاریخِ وفات جیسے مسئلے میں ہم عصر کے قول کا ہونا بھی کوئی ضروری نہیں اور ان علماء کے کسی قول سے سنابلی صاحب استدلال نہیں کر سکتے۔ رہی بات قول حسین بن فہم کی تو اِسے بھی سنابلی صاحب مکمل تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہیں۔

ابن ندیم کہتے ہیں:

ما رواه محمد بن يحيى عن الحسين بن فهم عنه انه قال ولدت سنة خمس وثلاثين ومائة ومات سنة خمس عشرة ومائتين[2].

اس غیر ثابت قول کے تحت بھی ولادت ۱۳۵ھ بنتی ہے، لیکن سنابلی صاحب آدھے قول کو مانتے ہیں اور آدھے کا انکار کرتے ہیں، جب کہ یہ کہنا کہ ۹۲ سال کے عمر کے تحت ہی چلنا ہے، تو حضرت! قول حسین بن فہم کو کیوں لیتے ہیں، ان کے تحت یہی ولادت و وفات بنتی ہے یا مکمل رائے لے لیں یا مکمل رد کر دیں۔

---

[1] یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ٦٥٦

[2] الفہرست لابن الندیم ص ۱۳۰

الغرض سنابلی صاحب مکمل مشکل میں گرفتار ہو چکے ہیں اور یہ روایت ایک سے زائد وجوہات کے باعث ضعیف ہے۔ مدائنی کی تواریخِ وفات جو علماء نے نقل کی ہیں، وہ ۲۲٤، ۲۲۵، ۲۲۸، اور ۲۳۱ ہجری ہیں[1]۔

ان تواریخِ وفات کے مطابق ابو الحسن مدائنی کی ولادت عبدالرحمن بن معاویہ ابو الحویرث کی وفات کے بعد کی بنتی ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں انقطاع ہو سکتا ہے، یا پھر سنابلی صاحب کا تعین ہی غلط ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا موقف

سنابلی صاحب نے یزید کے دفاع کرنے والوں میں صحابی رسول سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ کا نام بھی ذکر کیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ کا صحیح موقف سمجھ لینا چاہیے۔ عبداللہ ابن عمرؓ کے ہاں اگر بیعت قائم ہو جائے تو اسے توڑا نہیں جا سکتا... بے شک وہ اس پر شرعی دلائل رکھتے ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ حالات کے اعتبار سے فیصلہ کرنے میں مجتہد ہیں اور ان کے اجتہاد سے باقی صحابہ کرام اور تابعین نے اختلاف بھی کیا ہے اور ممکن ہے بعض نے اتفاق بھی کیا ہو، اس لیے ان کے اجتہاد کو ہر ایک پر حجت نہیں قرار دیا جا سکتا مزید یہ کہ اس سے یزید کا دفاع لازم نہیں آتا، بلکہ قولِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی لازم آتی ہے۔ جب کہ ان کا موقف یزید کے متعلق کیا تھا یہ بھی دیکھ لیجیے۔

---

[1] تاریخ الطبری ج۹ ص ۱۲٤ ، المنتظم لابن الجوذی ج ۱۱ ص۹۵، إرشاد الأریب ج ٤ ص ۱۸۵۲ ،النجوم الزاھرہ ج۲ ص ۲۵۹

امام ابو نعیمؒ کہتے ہیں:

حدثنا مُحَمَّد بن علي، ثنا الحسين بن مودود، ثنا سليمان بن يوسف، ثنا يعقوب بن إبراهيم بن سعد، ثنا أبي، عن صالح بن كيسان، عن ابن شهاب، قال: أخبرني القاسم بن مُحَمَّد بن أبي بكر، أن معاوية، أخبر أن عبد الله بن عمر وعبد الرحمن بن أبي بكر وعبد الله بن الزبير خرجوا من المدينة عائذين بالكعبة من بيعة يزيد بن معاوية[1].

قاسم بن محمد بن ابی بکر کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کو خبر دی گئی کہ عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ ابن زبیرؓ بیعتِ یزید سے بچنے کے لئے مدینہ سے نکل کر مکہ آ گئے ہیں۔

امام خلیفہ بن خیاطؒ کہتے ہیں:

حَدَّثَنَا عَبْد الرَّحْمَن بْن مهْدي قَالَ نَا سُفْيَان عَن مُحَمَّد بْن الْمُنْكَدر قَالَ قَالَ ابْن عُمَر حِين بُويِعَ يَزِيد بْن مُعَاوِيَة إِن كَانَ خيرا روينَا وَإِن كَانَ بلَاء صَبرنَا[2].

ابن عمرؓ نے اس وقت جب وہ یزید کی بیعت کے لیے آئے تو کہا کہ اگر یہ خیر ہے تو ہم راضی ہیں اور اگر یہ شر ہے تو ہم صبر کرتے ہیں۔

---

[1] حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء ج ۱ ص ۳۳۱ ، وسندہ صحیح

[2] تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۲۱۷ ، وسندہ صحیح؛ الصبر الصواب علیہ ابن ابی الدنیا رقم ۱۶۹ ، وسندہ صحیح؛ لسان المیزان ج ۶ ص ۲۹۴

پہلے تو آپؓ بیعت کرنے کو بھی تیار نہ تھے اور بیعت کرنے سے بچتے رہے، لیکن سختی کے باعث بیعت کے لیے راضی ہوئے۔ تب بھی ان کا موقف واضح تھا کہ وہ اس معاملے میں صبر کریں گے، اہلِ مدینہ و اہلِ مکہ کے لوگوں کا موقف الگ تھا اور ما قبل ہم یہ بحث کر آئے ہیں کہ یزید کی امارت اس درجے کی نہ تھی کہ جہاں خروج ناجائز ہو، البتہ سیدنا ابن عمرؓ اقوالِ نبی اکرم ﷺ کے تحت ہی اپنا موقف رکھتے تھے اور ان کا غصہ کرنا بھی احادیثِ رسول ﷺ کے باعث ہی ہے۔ اس کا تعلق یزید کے دفاع سے بالکل نہیں ہے۔ آج بھی خلافت قائم ہو جائے اور وقت کے خلیفہ میں خیر سے زیادہ شر بھی ہو تب بھی علماء خروج کرنے کا حکم نہیں دیں گے تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکال لیا جائے کہ علماء اس خلیفہ کا دفاع کر رہے ہیں؟ یقیناً نہیں... تو ادھر بھی مقصد یزید کا دفاع نہیں تھا یہ حضرت ابن عمر کا اجتہاد تھا جیسے دوسرے اصحاب نے اجتہاد کیا۔ مجھے تعجب ہے کہ سنابلی صاحب نے اتنی سیدھی سی بات کو کیسے عوام کے سامنے الگ طریقے سے پیش کیا ہے، جب کہ وہ ان باتوں سے بے خبر نہیں ہیں۔

ساتھ ہی سنابلی صاحب نے حضرت ابن زبیرؓ کو باغی ثابت کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، اسی روایت کے ساتھ وہ ایک اور روایت بھی لے آتے ہیں، البتہ موضوع کے تحت تو اس کا جواب دینے کی ہمیں ضرورت نہیں تھی، لیکن چوں کہ یہ روایت آ گئی ہے، تو اس کی بھی وضاحت کیے دیتے ہیں۔

امام بیہقیؒ کہتے ہیں:

حدثنا أبو عبد الله الحافظ، إملاء , ثنا أبو عبد الله محمد بن عبد الله الزاهد , ثنا أحمد بن محمد بن مهدي بن رستم، ثنا بشر بن

شعيب بن أبي حمزة القرشي، حدثني أبي ح، وأخبرنا أبو الحسين بن الفضل القطان،ببغداد,أنبأ عبد الله بن جعفر بن درستويه، ثنا يعقوب بن سفيان، ثنا الحجاج بن أبي منيع، ثنا جدي، وثنا يعقوب، حدثني محمد بن يحيى بن إسماعيل، عن ابن وهب، عن يونس، , جميعا عن الزهري، وهذا لفظ حديث شعيب بن أبي حمزة , عن الزهري، أخبرني حمزة بن عبد الله بن عمر،: أنه بينما هو جالس مع عبد الله بن عمر إذ جاءه رجل من أهل العراق، فقال: يا أبا عبد الرحمن إني والله لقد حرصت أن اتسمت بسمتك , وأقتدي بك في أمر فرقة الناس , وأعتزل الشر ما استطعت , وإني أقرأ آية من كتاب الله محكمة قد أخذت بقلبي , فأخبرني عنها ,أرأيت قول الله تبارك وتعالى:" {وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما , فإن بغت إحداهما على الأخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء إلى أمر الله , فإن فاءت فأصلحوا بينهما بالعدل , وأقسطوا إن الله يحب المقسطين} [الحجرات: 9] أخبرني عن هذه الآية، فقال عبد الله: ومالك ولذلك , انصرف عني , فانطلق حتى توارى عنا سواده , أقبل علينا عبد الله بن عمر فقال: ما وجدت في نفسي من شيء من أمر هذه الأمة ما وجدت في نفسي أني لم أقاتل هذه الفئة الباغية كما أمرني الله عز وجل. زاد القطان في روايته: قال حمزة: فقلنا له: ومن ترى الفئة الباغية؟ قال ابن عمر: ابن الزبير بغى على هؤلاء القوم،فأخرجهم

من ديارهم , ونكث عهدهم. ففي قول عبد الله بن عمر هذا دلالة على."جواز استعمال الآية في قتال الفئة الباغية[1].

سنابلی صاحب نے اس روایت کے آخری حصے سے استدلال کیا ہے، جو کہ یہ ہے :

قال حمزة: فقلنا له: ومن ترى الفئة الباغية؟ قال ابن عمر: ابن الزبير بغى على هؤلاء القوم , فأخرجهم من ديارهم , ونكث عهدهم. ففي قول عبد الله بن عمر هذا دلالة على جواز استعمال الآية في قتال الفئة الباغية.

یعنی حضرت ابن عمر حضرت ابن زبیر کو باغی قرار دیتے ہیں اور فتنے کی وجہ قرار دیتے ہیں۔

یہ الفاظ امام بیہقیؒ نے اس سند سے نقل کیے ہیں:

وأخبرنا أبو الحسين بن الفضل القطان، ببغداد , أنبأ عبد الله بن جعفر بن درستويه، ثنا يعقوب بن سفيان، ثنا الحجاج بن أبي منيع، ثنا جدي، وثنا يعقوب، حدثني محمد بن يحيى بن إسماعيل، عن ابن وهب، عن يونس، عن الزهري...

اس روایت کے آخری حصے کو امام زہری کے شاگرد شعیب بن ابی حمزہ نے نقل نہیں کیا ہے، جب کہ یہ الفاظ یونس بن یزید الأیلی کے نقل کردہ ہیں۔ شعیب بن ابی حمزہ ثقہ ثبت راوی ہیں اور یونس سے أوثق راوی ہیں، اِس لیے ان کی ہی روایت راجح قرار دی جائے گی، جیسا کہ امام احمدؒ نے کہا۔ امام ابوزرعہؒ دمشقی کہتے ہیں:

---

[1] السنن الکبری للبیہقی ج۸ ص ۲۹۸ ح ۱۶۷۰۶

حدثني أحمد بن حنبل قال: رأيت كتب شعيب ، فرأيت كتبا مضبوطة مقيدة. ورفع أحمد من ذكره . قلت : فأين هو من يونس ؟ قال : فوقه. قلت : فأين هو من عقيل ؟ قال : فوقه . قلت : فأين هو من الزبيدي ؟ قال : مثله[1].

امام احمدؒ سے جب یہ پوچھا گیا کہ شعیب بن ابی حمزہ کا درجہ یونس کی نسبت کیسا ہے، توانہوں نے یہی فرمایا کہ شعیب ان کی نسبت مرتبے کے اعتبار سے بلند ہیں۔

معلوم ہوا کہ شعیب بن أبی حمزہ روایت حدیث کے اعتبار سے مجموعی طور پر یونس بن یزید سے أوثق ہیں، کما قال الامام احمد!

امام مزیؒ کہتے ہیں:

قال أبو عبد الله: يونس كثير الخطأ عن الزهرى ، وعقيل أقل خطأ منه[2].

اسی طرح امام احمدؒ سے یہ قول بھی مروی ہے:

وقال أبوزرعة الدمشقي: سمعت أبا عبد الله أحمد بن حنبل يقول: في حديث يونس بن يزيد منكرات عن الزهري، منها: عن سالم

---

[1] تاریخ ابی زرعۃ الدمشقي ج ۱ ص ۴۳۳

[2] تھذیب الکمال فی أسماء الرجال ج ۳۲ ص ۵۵۵

عن أبيه، عن النبي صلى الله عليه وسلم: فيما سقت السماء العشر[1].

مزید یہ اضافہ ایک صحیح اثر کے بھی خلاف ہے۔ چناں چہ امام ابن ابی الدنیاؒ کہتے ہیں:

قال: حدثنا مُحَمَّد بن عبيد الله (ابن المنادي) ،حدثنا روح بن عبادة، حدثنا العوام بن حوشب، عن عياش العامري، عن سعيد بن جبير قال: لما حضرت ابن عمر الوفاة قال: ما آسى على شيء إلا على ظمأ الهواجر، ومكابدة الليل، وأني لم أقاتل الفئة الباغية التي نزلت بنا. يعني الحجاج[2].

جب حضرت ابن عمرؓ کے وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے کہا: مجھے کسی چیز کا افسوس نہیں ہے سوائے ان چیزوں کے دوپہر کی گرمیوں میں پیاسا رہنا اور رات کو مشقت اٹھانے میں اور مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں اس باغی جماعت سے قتال نہیں کر سکا جو ہمارے بیچ آیا تھا۔ ان کی مراد حجاج تھا۔

اس سند میں امام سعیدؒ بن جبیر ثقہ تابعی نے حضرت ابن عمرؓ کا موقف ذکر کر دیا ہے، جو کہ یونس بن یزید کی روایت کے خلاف ہے... چناں چہ راجح یہی ہے کہ سیدنا ابن عمرؓ نے یہ الفاظ حجاج کے لیے کہے فتدبر...! خلاصتہً یونس امام زہریؒ سے بیان کرنے میں خطا کرتے تھے، امام زہری سے ان کی منکرات بھی ہیں اور یہ روایت بھی وہ امام زہری سے ہی بیان

---

[1] ایضا

[2] المختصرین لابن ابی الدنیا ح ۲۱۳، واسنادہ صحیح

کر رہے ہیں تو ایک اُوثق راوی کی مخالفت اور ایک صحیح اثر کی موجودگی میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ یونس نے یہاں زہری سے جو زیادتی بیان کی ہے وہ محفوظ نہیں ہے، اس لیے یہ حوالہ بھی قابل استدلال نہیں ہے۔

مؤقف امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ

سنابلی صاحب نے یزید کے دفاع کے لیے سیدنا حسینؓ سے بھی تعدیل ڈھونڈلی ہے، گویا موصوف بہت ''دور کی کوڑھی'' لائے ہیں۔ آپ مضمون کا عنوان لکھتے ہیں:

نواسہ رسول حسینؓ کا یزید کو امیر المومنین کہنا[1]

پھر اگلے صفحے پر استدلال کرتے ہیں:

> اس سے معلوم ہوا کہ حسینؓ کی نظر میں یزید خلافت کے اہل تھے اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے ان کے اندر کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی، ورنہ حسینؓ انہیں امیر المومنین جیسے مقدس لفظ سے متصف نا کرتے[2]۔

سوال پیدا یہ ہوتا ہے کہ کیا لفظ ''امیر المومنین'' سے تعدیل ہوتی ہے؟ اور اس سے قطع نظر کہ یہ الفاظ تعدیل ہیں یا نہیں، یہ الفاظ ثابت بھی ہیں؟ اس پر بھی نظر کیجیے، کیوں کہ یہی روایت جب بلاذری نقل کرتے ہیں، تو اس روایت میں ''امیر المومنین'' کے الفاظ نقل نہیں ہوئے۔

---

[1] یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ٦٨٧

[2] ص ٦٨٣

بلاذری بسند نقل کرتے ہیں:

والله ما ندري غير أنا لا نقدر على أن نخرج أو نلج. فانطلق يسير نحو الشام إلى يزيد، فلقيته جنود بكربلاء فناشدهم الله .وكان بعث إليه عمر بن سعد، وشمر بن ذي الجوشن وحصين بن تميم، فناشدهم اللّه أن يسيروه إلى يزيد فيضع يده فيده[1] .

اس سند کے راوی سعید بن سلیمان السعدیہ الحافظ کے متعلق امام العلل احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں:

قال عبد الله بن أحمد: سمعت أبي، وذكر سعيد بن سليمان. قال: كان صاحب تصحيف ماشئت[2].

یہ راوی ثقہ ہے، لیکن محدثین نے اس پر کلام کیا ہے، اس تعلق سے کہ یہ راوی تصحیف کر دیتا تھا۔ جیسا امام احمدؒ نے کہا اور ممکن ہے کہ راوی نے امیر المومنین کا اضافہ خود کر دیا ہو یا اس لفظ کو حذف کر دیا ہو یا اسے بالمعنی روایت کیا ہو، خیر چوں کہ اس روایت کی متابعت نہیں ہے، اس لیے یہ حصہ قابل استدلال نہیں ہے۔ یہ الفاظ روایت میں موجود ہیں یا نہیں، لیکن بذاتِ خود اس لفظ سے کوئی تعدیل ثابت نہیں ہوتی اور اگر ایسا کہا بھی تو یہ کوئی تعدیل نہیں یزید کی حکومتی فوج کے سامنے ان کے امیر کو اسی عہدے سے ذکر کرنا کوئی ایسی بات نہیں جس سے تعدیل کشید کر لی جائے، قاضی ابو یعلی امام احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں:

---

[1] الأنساب ج ۳ ص ۱۷۳

[2] العلل ح ۹٤٤

ومن غلبهم بالسيف حتى صار خليفة وسمي أمير المؤمنين لا يحل لأحد يؤمن بالله واليوم الآخر أن يبيت ولا يراه إماماً عليه، براً كان أو فاجراً، فهو أمير المؤمنين[1].

جو تلوار کے زور پر غالب ہو یہاں تک کہ وہ خلیفہ بن جائے اور وہ امیر المومنین کہلائے تو اللہ پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ رات اس حال میں گزارے کہ وہ اسے امام نہ سمجھے، خواہ وہ نیک ہو یا فاجر وہ "امیر المومنین" ہیں۔

امام احمدؒ معتزلی خلیفہ معتصم باللہ کو بھی امیر المومنین کہا کرتے تھے، اس کے لیے ان کے مناظرے دیکھے جا سکتے ہیں۔

امام ابن کثیرؒ کہتے ہیں:

يزيد بن معاوية هو يزيد بن معاوية بن أبي سفيان بن صخر بن حرب بن أمية بن عبد شمس،أمير المؤمنين أبو خالد الأموي،ولد سنة خمس أو ست أو سبع وعشرين، وبويع له بالخلافة في حياة أبي[2].

امام ابن کثیر "امیر المومنین" یزید کے متعلق کہتے ہیں:

وكان فيه أيضا إقبال على الشهوات وترك بعض الصلوات في بعض الأوقات، وإماتتها في غالب الأوقات.

---

[1] الأحکام السلطانیہ ص ۲۰

[2] البدایہ والنہایہ ج۸ ص۲۴۸

اور یہ بھی تھا کہ شہوتوں کی طرف اس کی توجہ تھی اور بعض اوقات نمازیں چھوڑ دیتا تھا اور اکثر اوقات میں نماز گزار کر پڑھتا تھا۔

پھر ایک جگہ کہتے ہیں:

قلت: يزيد بن معاوية أكثر ما نقم عليه في عمله شرب الخمر، وإتيان بعض الفواحش ، فأما قتل الحسين فإنه كما قال جده أبو سفيان يوم أحد لم يأمر بذلك ولم يسؤه[1] .

میں کہتا ہوں کہ یزید پر جن اعمال کی وجہ سے زیادہ تنقید ہوئی، وہ شراب پینا ہے اور بعض بے حیائیوں کا ارتکاب کرنا ہے، اور رہی سیدنا حسینؓ کو قتل کرنا تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ان کے دادا حضرت ابو سفیانؓ نے احد کے دن کہا تھا: ''نہ تو انہوں نے اس کا حکم دیا تھا اور نہ ہی انہیں اس کا کوئی دکھ ہے۔

اس کے بعد ہم پھر سے سنابلی صاحب کے الفاظ بیان کرتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ حسینؓ کی نظر میں یزید خلافت کے اہل تھے اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے ان کے اندر کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی، ورنہ حسینؓ انہیں امیر المومنین جیسے مقدس لفظ سے متصف نا کرتے[2]۔

---

[1] البدایۃ والنھایۃ، ج۸ ص ۲۵٤

[2] یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ

یہ لیجیے امام ابن کثیرؒ بھی یزید کے ترجمہ میں اسے امیر المومنین کہتے ہیں کیا وہ بھی اسے عادل اور اہل خلیفہ سمجھتے تھے، اور اخلاق و کردار میں کوئی اعتراض نہیں رکھتے تھے؟

الغرض یہ ایک انتظامی لقب تھا، اس کے مقدس ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، نہ ہی سیدنا حسینؓ کے متعلق معلوم ہے کہ انہوں نے تعظیماً ایسا کہا...! مزید ہم ماقبل دلائل سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ امام حسینؓ نے نہ صرف یزید کی بیعت سے انکار کیا تھا، بل کہ وہ یزید کے خلاف حکومت بھی قائم کرنا چاہتے تھے یا خروج کا ارادہ رکھتے تھے، اگر اس قول سے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یزید کو وہ واقعی ہی امیر المومنین سمجھتے تھے تو کیا وجہ ہے کہ انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی؟

امام عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا موقف

امام ابن زبیرؓ نے تو یزید کے خلاف خروج تک کیا اور اپنی خلافت قائم کر دی تھی، اس کے باوجود بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابن زبیرؓ یا کسی اور صحابی نے یزید کے متعلق کوئی کلام نہیں کیا، فیاللعجب...! یعنی تلوار تو اٹھالی، لیکن کلام نہیں کیا! البتہ امام ابن زبیرؓ سے تو یزید کے متعلق اقوال بھی موجود ہیں، جسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ امام سلیمان بن أحمد طبرانی کہتے ہیں:

حدثنا علي بن المبارك، قال: ثنا زيد بن المبارك، قال: ثنا عبدالملك بن عبدالرحمن الذماري، قال: ثنا القاسم بن معن، عن

هشام بن عروة، عن أبيه، قال: لما مات معاوية، تثاقل عبدالله بن الزبير عن طاعة يزيد بن معاوية، وأظهر شتمه، فبلغ ذالك يزيد، فأقسم: لا يؤتى به إلا مغلولا، وإلا أرسل إليه (فقيل) لابن الزبير: ألا نصنع لك أغلالا من فضة تلبس عليها الثوب، وتبر قسمه؛ فالصلح أجمل بك؟! قال: فلا أبر– والله– قسمه، ثم قال ولا ألين لغير الحق أسأله.....حتى يلين لضرس الماضغ الحجر ثم قال: والله لضربة بسيف فيعز أحب إلي من ضربةفي ذل. ثم دعا إلى نفسه، وأظهر الخلاف ليزيد بن معاوية[1].

عروہ کہتے ہیں: جب معاویہؓ بن سفیانؓ کی وفات ہوئی تو عبداللہ بن زبیرؓ جان بوجھ کر یزید کی بیعت سے پہلو تہی کرنے لگے، اور اعلانیہ طور پر اسے برا بھلا کہنے لگے۔ یزید بن معاویہ کو جب اس کی خبر ملی تو کہنے لگا: ''بخدا ابن زبیرؓ کو بیڑیوں اور طوقوں میں گرفتار کر کے لایا جائے، ورنہ میں اس پر لشکر کشی کروں گا۔

ابن زبیرؓ سے کہا گیا: ہم آپ کے لیے چاندی کا طوق نا بنا دیں؟ آپ اسے کپڑوں کے نیچے پہن لیں، یوں یزید کی قسم پوری ہو جائے گی اور آپ صلح کر لیں۔'' آپؓ نے فرمایا:

''اللہ پاک اس کی قسم کو پورا نہ کرے۔''

پھر مندرجہ ذیل شعر پڑھنے لگے:

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۳ ص ۹۲ ح ۲۳۰ واسنادہ حسن لذاتہ، ط: مکتبۃ ابن تیمیۃ-القاھرۃ

''جس ناحق کا مجھ سے مطالبہ کیا گیا ہے، میں اس کے لیے نرمی نہیں دکھلاؤں گا یہاں تک کہ چبانے والی داڑھوں کے لیے پتھر نرم نہ ہو جائے۔'' پھر فرمایا: "بخدا عزت کی تلوار ذلت کے کوڑھے سے بدرجہا بہتر ہے۔" پھر لوگوں کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے کی دعوت دی اور یزید کی مخالفت کا اعلان کر دیا۔

اس روایت کو جب ہم نے سنابلی صاحب کے سامنے پیش کیا... تو انھوں نے درج ذیل اعتراض کیے:

۱: عبدالملک الذماری ضعیف ہے۔

۲: علی بن مبارک کی توثیق درکار ہے۔

۳: روایت میں اضطراب ہے۔

۴: روایت میں یزید بن المبارک نہیں بل کہ زید بن مبارک ہے۔

موخرالذکر اعتراض پر موصوف ہم سے بحث بھی کر چکے ہیں۔ علی بن مبارک کی توثیق اور عبدالملک الذماری کا تعین اور توثیق پر بھی ہم ماقبل بحث کر آئے ہیں اور روایت میں زید بن المبارک ہی ہے اور زید ثقہ راوی ہیں۔ اس اعتراض سے روایت پر کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا... بس سنابلی صاحب نے محض اپنا محدثانہ رعب دکھانے کے لیے یہ اعتراض کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس روایت پر کوئی اور اعتراض باقی نہیں رہتا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے بادشاہوں والی خواہش کی تھی کہ امام ابن زبیرؓ اس کے سامنے سونے کا طوق پہن کر حاضر ہوں اور بیعت کریں، لیکن ابن زبیرؓ کا جواب واضح تھا کہ وہ یزید پر جرح کرتے تھے۔ وہ

لوگ جو کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کی جرح دکھاؤ... تو ان کا مطالبہ ہم نے پورا کر دیا ہے، الحمد للہ!

امام زرقیؒ کہتے ہیں:

حدثنا أبو الوليد قال: حدثني جدي أحمد بن محمد، عن سعيد بن سالم، عن ابن جريج، قال: سمعت غير واحد من أهل العلم ممن حضر ابن الزبير حين هدم الكعبة وبناها قالوا: لما أبطأ عبد الله بن الزبير عن بيعة يزيد بن معاوية، وتخلف وخشي منهم، لحق بمكة ليمتنع بالحرم، وجمع مواليه، وجعل يظهر عيب يزيد بن معاوية ويشتمه، ويذكر شربه الخمر وغير ذلك، ويثبط الناس عنه، ويجتمع الناس إليه[1].

ابن جریج کہتے ہیں میں نے سنا متعدد اہل علم سے ابن زبیرؓ جو کہ کعبہ کو منہدم کر کے دوبارہ تعمیر کرتے وقت موجود تھے۔ جب عبداللہ ابن زبیرؓ یزید کی بیعت سے پس و پیش رہے اور اس سے پیچھے رہے تو انہیں یزیدیوں کے ظلم کا خوف ہوا، چنانچہ وہ مکہ آ گئے، تاکہ حرم میں پناہ لیں۔ یہاں انہوں نے اپنے خادموں کو جمع کیا اور یزید بن معاویہ کے عیوب کھلے عام ظاہر کرنے لگے، اس کی برائیاں کرنے لگے اور یزید کا شراب پینا وغیرہ ذکر کیا اور لوگوں کو اس سے باز کرنے لگ پڑے اور لوگ ان کے گرد جمع ہونے لگ گئے۔

---

[1] أخبار المكہ للزرقی ج ۱ ص ۲۰۱، إسنادہ لا باس بہ

سند کی تحقیق

۱: احمد بن ولید زرقی:

امام دار قطنی کہتے ہیں: ثقة[1]

امام مغلطائیؒ حنفی کہتے ہیں:

وقال ابن سعد: هو ثقة كثير الحديث[2].

۲: سعید بن سالم مکی:

امام ابن معین کہتے ہیں :

سعيد بن سالم المكي فقال ليس به بأس[3].

امام علیؒ بن مدینی کہتے ہیں:

وسألت عليا عن سعيد بن سالم القداح فقال كان ثقة ولم يكن بالقوي[4].

امام ابن ابی حاتم کہتے ہیں :

---

[1] موسوعۃ أقوال أبی الاحسن الدار قطنی ح ۳۶۲

[2] اکمال تھذیب الکمال ج ۱ ص ۱۴۱

[3] تاریخ ابن معین روایۃ ابن محرز ج ۱ ص ۹۰

[4] سؤالات ابن أبي شيبة لابن مدینی ح ۱۳۳

سمعت أبي يقول سعيد بن سالم محله الصدق . حدثنا عبد الرحمن قال سمعت أبا زرعة يقول: سعيد بن سالم القداح هو عندي إلى الصدق ما هو[1].

امام ابن عدی کہتے ہیں:

وهو حسن الحديث وأحاديثه مستقيمة[2].

ان پر ارجاء کے باعث جرح ہوئی ورنہ یہ حسن الحدیث ہیں۔

۳: عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج

یہ مشہور ثقہ امام ہیں۔امام ذہبیؒ کہتے ہیں:

الإمام ، العلامة ، الحافظ شيخ الحرم[3].

اس سند پر ممکنہ اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ امام ابن جریج نے یہ روایت غیر واحد اہل علم سے سنی ہے جن کے نام معلوم نہیں ہیں، لیکن اس سے پہلے ہم ایک حسن سند سے روایت نقل کر آئے ہیں، ابن زبیرؓ نے یزید پر جرح کی تھی تو یہ روایت اس متابعت میں ہے، مزید تاریخی روایات میں اس قدر سختی نہیں ہے، جب ابن جریج نے اہل علم کہہ کر تعدیل کی ہے تو یہ بات کافی ہے، الا یہ کہ اس روایت کے الفاظ کسی صحیح روایت کے خلاف آجائیں تو راجح وہی روایت ہو گی۔

---

[1] الجرح والتعدیل ج ٤ ص ٣١

[2] الکامل لابن عدی ج ٤ ص ٤٥٤

[3] سیر أعلام النبلاء ج ٦ ص ٣٦٧

صحابی رسول معقل بن سنان رضی اللہ عنہ کا موقف

صحابی رسول معقل بن سنانؓ کا موقف یزید کے متعلق خاصا شدید تھا، وہ یزید کو فاسق اور شرابی تک کہتے تھے۔ امام ابن عساکرؒ کہتے ہیں:

فقال سقاك الله أيها الأمير من شراب الجنة قال لا جرم والله لا تشرب بعدها لا أم لك شرابا حتى تشرب من حميم جهنم قال أنشدك الله والرحم قال ألست القائل ليلة لقيتك بطبرية وأنت منصرف من عند أمير المؤمنين وقدأحسن جائزتك سرنا شهرا وحسرنا ظهرا ورجعنا صفرا نرجع إلى المدينة فنخلع الفاسق شارب الخمر ونبايع رجلا من المهاجرين أو أبناء المهاجرين ياتيس أشجع فيم غطفان وأشجع من الخلع والتأمير إني والله عاهدت الله لا ألقاك في حرب فيها على قتلك إلا قتلتك وأمر به فقتل[1].

انہوں (معقلؓ) نے جواب دیا: "اے امیر! اللہ تعالی تجھے جنت کا مشروب پلائے۔" تو اس نے جواب میں کہا: "یقیناً اس کے بعد تم جہنم کے کھولتے ہوئے پانی کے سوا کچھ نہیں پیو گے، تو اپنی ماں کی اولاد نہیں۔" تو انہوں نے کہا: "میں تجھے اللہ تعالی اور رشتے داری کا واسطہ دیتا ہوں۔ تو مسلم نے کہا: "کیا تم نے

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر ط دار الفکر، ج ٥٤ ص ١٨٠، ١٨١ ،إسناده لابأس به

اس رات یہ بات نہی کہی تھی جس رات طبریہ میں، میں تجھے ملا تھا۔ جب تم امیر المومنین کے ہاں سے واپس آرہے تھے، حالاں کہ نے انہوں نے تجھے اچھا خاصا عطیہ عطا کر دیا تھا، ہم نے مہینے کا سفر کیا اور اپنے سواری تھکا دی۔ لیکن خالی ہاتھ لوٹ آئے۔ ہم مدینہ واپس جا کر اس فاسق شراب خور کی بیعت سے نکلیں گئے اور مہاجرین یا ان کی اولاد میں سے کسی کی بیعت کریں گئے۔ پھر کہا: "میں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے کسی بھی جنگ میں ملے گا تو میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ پھر ان کے قتل کا حکم دیا، اور وہ قتل کر دیے گئے۔

سند کی تحقیق

۱: أبو غالب الوردی

امام ذہبیؒ کہتے ہیں:

الشيخ الإمام ، المحدث الصدوق[1].

۲: ابو الحسین الطیوری

امام ذہبیؒ کہتے ہیں:

[1] سیر أعلام النبلاء ج ۱۹ ص ۵۸۹

الشيخ الإمام ، المحدث العالم المفيد ، بقية النقلة المكثرين أبوالحسين المبارك بن عبد الجبار[1].

۳: ابوالحسن محمد بن عبدالواحد البزار

امام خطیب بغدادیؒ کہتے ہیں۔

ثقة[2].

۴: ابو بکر بن شاذان

امام ذہبیؒ کہتے ہیں :

الشيخ الإمام ، المحدث الثقة المتقن أبو بكر ، أحمد بن إبراهيم بن الحسن بن مُحَمَّد بن شاذان... قال الأزهري :كان حجتة ثبتا[3].

۵: ابو بکر بن ابی شیبہ البزار

امام خطیب بغدادیؒ کہتے ہیں:

قال لنا أبو الحسن الدار قطني أبو بكر بن أبي شيبة جار ابن منيع، ثقة ثقة[1].

---

[1] سیر أعلام النبلاء ج ۱۹ ص ۲۱٤

[2] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳٦۱

[3] سیر أعلام النبلاء ج ۱٦ ص ٤۲۹

٦: أحمد بن الحارث الخزار

امام خطیب بغدادیؒ کہتے ہیں :

وكان صدوقا من أهل الفهم والمعرفة[2].

٧: علی بن محمد مدائنی

امام ذہبیؒ کہتے ہیں :

العلامة الحافظ الصادق أبو الحسن علي بن مُحَمَّدبن عبدالله بن أبي سيف المدائني الأخباري[3].

یہ ثقہ راوی ہیں اور تاریخ میں معتبر ہیں۔

٨: عوانہ بن الحکم

امام ذہبیؒ کہتے ہیں:

العلامة الأخباري أبو الحكم الكوفي الضرير ، أحد الفصحاء ، له كتاب: التاريخ ، وكتاب "سير معاوية وبني أمية"، ... وكان صدوقا في نقله[1].

---

[1] تاریخ بغداد ت بشار ج ص ١٧٢، وسندہ صحیح

[2] تاریخ بغداد ج ٤ ص ٢١٢

[3] سیر أعلام النبلاء ج ١٠ ص ٤٠٠

امام ذہبی صاحب استقراء ہیں، امام ذہبیؒ اپنی دوسری کتاب میں کہتے ہیں:

عالم بالشعر وأيام الناس، وقل أن روى حديثا مسندا، ولهذا لم يذكر بجرح ولا تعديل، والظاهر أنه صدوق[2].

امام عجلیؒ کتاب "الثقات" میں اس راوی کو لے کر آئے ہیں۔

كان عوانة بن الحكم الكلبي صاحب أدب[3].

یاقوت حمویؒ کہتے ہیں:

كان عالما بالأخبار والآثار ثقة[4].

ان اقوالات کا ماحاصل یہ ہے کہ عوانہ بن حکم تاریخی روایات میں صدوق اور معتبر ہیں۔

۹: عکرمہ بن خالد

امام مزی کہتے ہیں:

قال إسحاق بن منصور عن يحيى بن معين، وأبو زرعة، والنسائي: ثقة[5].

---

[1] سیر اعلام النبلاء ط الحدیث ج ٦ ص ١٠٢؛ سیر أعلام النبلاء ج ١٠ ص ٤٠٠

[2] تاریخ الإسلام للذهبی ج ٤ ص ١٧٤

[3] الثقات للعجلی ط البازج ١٣٢٠

[4] معجم الأدباء ج ٥ ص ٢١٣٤

[5] تهذیب الکمال فی أسماء الرجال ج ٢٠ ص ٢٥٠

یہ ثقہ راوی ہیں اور ان پر کسی قسم کی جرح ثابت نہیں ہے۔ ممکنہ اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ یہاں عکرمہ بن خالد بن سلمۃ المخزومی ہے جو کہ ضعیف ہے، لیکن ہم اپنے قارئین کو بتاتے چلیں کہ امام مزیؒ نے تصریح کی ہے کہ اس کا صرف ایک شاگرد اور ایک استاد ہیں، یعنی یہ ایک غیر مشہور راوی ہے۔ امام مزی کہتے ہیں:

عكرمة بن خالد المخزومي يروي عن: أبيه ويروي عنه: مسلم بن إبراهيم[1].

مزید اس طبقے میں عکرمہ بن خالد المکی ہی مشہور ہے، علامہ سنابلی صاحب کا موقف دیکھیئے:

کسی طبقے میں جب کسی راوی کا نام مطلق ذکر ہو تو اس نام سے جو مشہور راوی ہوتا ہے وہی مراد ہوتا ہے[2]۔

عکرمہ بن خالد بن سلمۃ المخزومی المدنی ابن عمرؓ سے روایت اپنے والد کے ذریعے سے کرتے ہیں۔ جب کہ عکرمہ بن خالد المکی ابن عمرؓ کے شاگرد ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سند میں راوی عکرمہ بن خالد المکی ہیں۔ ان کا تاریخ وفات کا قریب ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ ایک ہی طبقہ کے راوی ہیں۔ چنانچہ یہ روایت عکرمہ تک صحیح ہے۔

عکرمہ بن خالد نے اس روایت کو بیان کرنے کے دوران دو جگہ کہا ہے کہ "کہا جاتا ہے" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عکرمہ بن خالد اس واقعہ میں موجود نہیں تھے، البتہ انہوں نے زمانہ پایا ہے۔ اور ایک ثقہ راوی اپنے دور کی تاریخ ذکر کرے تو وہ معتبر ہے، اگر اس کی

---

[1] تھذیب الکمال ج ۲۰ ص ۲۵۱ ح ۴۰۰۵

[2] یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ۶۳۲

مخالفت میں صحیح روایت موجود ہو یا کوئی اور قرینہ موجود ہو تو روایت کو رد کیا جا سکتا ہے۔ تاریخ بیانی میں ہر کسی سے موجودگی پر دلیل مانگی جائے تو آدھی تاریخ اسلام مسخ ہو جائے گی۔

تنبیہ: اس قسم کی روایات پر دو عینی گواہ لانے کا مطالبہ بھی غلط ہے چوں کہ یہ معاملہ عدالتی نہیں بل کہ تاریخی ہے اور ایسی صورت میں تو خبر واحد بھی معتبر ہوتی ہے اور تاریخ کی کئی ایک شخصیات ہیں جن کے متعلق ہمارے پاس خبر واحد سے زیادہ کچھ نہیں ہے البتہ اگر کسی ایسی جلیل القدر شخصیت جس کی عدالت مشہور ہو اس پر نقد کے متعلق روایات کی تحقیق کی جائے گئی، جب کہ یزید کا ایسا معاملہ نہیں ہے صحابہ کی جماعت کا امیر المومنین ہونے کے باوجود نہ تو ہمیں اس کی تعدیل کسی صحابی سے مل سکی نہ کسی تابعی سے۔ البتہ یہ اس اعتراض کا جواب ہو گیا کہ اصحابؓ کو یزید کی شخصیت سے مسئلہ نہیں تھا... بل کہ بیعت کے طریقہ کار سے تھا۔ نیز اس بات کا بھی ضمناً جواب آ گیا کہ واقعہ حرّہ میں کوئی صحابی شہید نہیں ہوئے، یا امام ابن زبیرؓ کے علاوہ کوئی صحابی نہیں تھے جس نے مخالفت کی ہو، ان کے علاوہ بھی ایک اصحاب کی جماعت ہے، جو یزید کے خلاف سیدنا ابن زبیرؓ کے ساتھ نکلے تھے، ہم اس کی ایک فہرست ضرور رکھتے ہیں، لیکن طوالت کے خوف سے اسے پیش نہیں کیا۔ دفاع امام ابن زبیرؓ میں سنابلی صاحب کے دلائل کا محاسبہ بھی کیا جائے گا، ان شاءاللہ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی رائے

امام حاکمؒ کہتے ہیں:

أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْمَحْبُوبِيُّ، ثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَسْعُودٍ، ثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَنْبَأَ ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: الْآيَاتُ خَرَزَاتٌ مَنْظُومَاتٌ فِي سِلْكٍ، يُقْطَعُ السِّلْكُ فَيَتْبَعُ بَعْضُهَا بَعْضًا، قَالَ خَالِدُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ: كُنَّا نَادين بِالصَّبَاحِ، وَهُنَاكَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو، وَكَانَ هُنَاكَ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي الْمُغِيرَةِ يُقَالُ لَهَا: فَاطِمَةُ، فسمعت عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ: ذَاكَ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ ، فَقَالَتْ: أَكَذَاكَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو تَجِدُهُ مَكْتُوبًا فِي الْكِتَابِ؟ قَالَ: لَا أَجِدُهُ بِاسْمِهِ وَلَكِنْ أَجِدُ رَجُلًا مِنْ شَجَرَةِ مُعَاوِيَةَ يَسْفِكُ الدِّمَاءَ، وَيُسْتَحَلُّ الْأَمْوَالَ، وَيَنْقُضُ هَذَا الْبَيْتَ حَجَرًا حَجَرًا، فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ وَأَنَا حَيٌّ وَإِلَّا فَاذْكُرِينِي ، قَالَ: وَكَانَ مَنْزِلُهَا عَلَى أَبِي قُبَيْسٍ، فَلَمَّا كَانَ زَمَنُ الْحَجَّاجِ، وَابْنِ الزُّبَيْرِ وَرَأَتِ الْبَيْتَ يُنْقَضُ، قَالَتْ: رَحِمَ اللَّهُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو قَدْ كَانَ حَدَّثَنَا بِهَذَا[1].

ہمیں خبر دی ابوالعباس محمد بن احمد المحبوبی نے، انہوں نے سنا سعید بن مسعود سے، انہوں نے سنا یزید بن ہارون سے، ان کو خبر دی ابنِ عون نے، انہوں نے بیان کیا خالد بن الحویرث سے، اور انہوں نے حضرتِ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] المستدرک علی الصحیحین ج ۴ ص نمبر ۵۲۰ ح ۸۴۶۱، اسنادہ حسن، إتحاف الخیرۃ ج ۷ ص ۱۱۲، ح ۷۶۱۱، قال البوصیری: اسنادہ جید ، صحاح الاحادیث فیما اتفق علیہ اھل الحدیث للمقدسی ج ۴، ص ۳، ح ۱۸۰۶۶

سے سنا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فتنے تو موتیوں کی مانند ہیں جو دھاگے میں باندھ دیئے جائیں، جیسے ہی دھاگا ٹوٹے وہ سارے ٹوٹ کر بکھر جائیں۔

خالد بن الحویرث کہتے ہیں: مقامِ صباح پر اذان دی جارہی تھی، اور وہاں عبداللہ بن عمروؓ موجود تھے، اور ایک عورت جو بنی مغیرہ سے تھی موجود تھی جس کو فاطمہ کہا جاتا تھا، پس میں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: **وہ یزید بن معاویہ ہے**۔ پس اُس عورت نے کہا: اے عبداللہ بن عمرو! کیا آپ نے یہ کسی کتاب میں دیکھا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا: میں نے نام کے ساتھ تو نہیں دیکھا مگر یہ دیکھا ہے کہ ایک شخص معاویہ کی صلب میں سے عوام کا بری طرح قتل عام کرے گا، عوام کا مال وہ غیر شرعی طور پر ضبط کرے گا، اور کعبہ کی تباہی کی کوشش میں وہ گھر (بیت اللہ) کے ٹکرے ٹکرے کردے گا، اگر یہ میری حیات میں ہو جائے تو ٹھیک ورنہ مجھے یاد رکھنا۔

خالد بن الحویرث کہتے ہیں: اس عورت کا گھر جبل ابو قبیس پر تھا، جب ابن زبیرؓ اور حجاج کا وقت آیا، تو کعبہ کا یہی حال تھا کہ وہ ٹوٹ چکا تھا، اس عورت نے کہا: اللہ کی رحمت ہو عبداللہ بن عمروؓ پر، جنہوں نے پہلے ہی ہمیں اس کے بارے میں بتادیا تھا۔

یہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا اجتہاد تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ کی آل سے یہ تباہی مچانے والا شخص یزید ہی ہوگا اور فتنے کی بنیاد بھی یزید کو ہی قرار دیا گیا۔ اور اس روایت کے مطابق جو

معاملات بتائے گئے ہیں وہ تمام تر قبیح افعال یزید نے سرانجام دیے۔اس لیے ایک روایت کے مطابق سیدنا عبداللہ بن عمروؓ نے امام حسینؓ کے خروج میں بھی ساتھ دینے کو کہا۔اور اس قدر یقین کے ساتھ یزید کا تعین یزید کی شخصیت کے باعث بھی ہو سکتا ہے۔

سند کی تحقیق

۱: محمد بن احمد المحبوبی

امام ذہبیؒ کہتے ہیں:

الإِمَامُ، المُحَدِّثُ، مُفِيْد.... قَالَ الحَاكِمُ: سَمَاعُه صَحِيْحٌ[1].

۲: سعید بن منصور المروزی

ذہبیؒ کہتے ہیں:

المحدث المسند ، أبو عثمان، المروزي، أحد الثقات[2].

۳: یزیدؒ بن ھارون

اہل سنت کے مشہور ثقہ حافظ امام ہیں۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۵۳۷

[2] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۵۰۵

۴: عبداللہ بن عون

ذہبیؒ کہتے ہیں:

الْإِمَامُ الْقُدْوَةُ عَالِمُ الْبَصْرَةِ ، أَبُو عَوْنٍ الْمُزَنِيُّ.مَوْلَاهُمُ الْبَصْرِيُّ الْحَافِظُ[1].

عبداللہ بن عونؒ خالد بن حویرث کے شاگرد ہیں حافظ ابن مندہؒ کہتے ہیں:

روى عنه عبدالله بن عون[2].

اس خاص روایت کے متعلق امام ابن سیرینؒ نے امام ابن عون کو حکم دیا تھا کہ وہ یہ خالد بن حویرث سے پوچھیں۔

امام بخاریؒ کہتے ہیں:

وقال أشهل: حدَّثنا ابْن عَون، أمر مُحَمد؛ سل خَالِد بْن الحُوَيرث: ما قَالَ عَبد اللهِ بْن عَمرو فِي الملك[3].

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج۶ ص۳۶۵

[2] فتح الباب في الكنى والألقاب ص۲۵۱ ح۲۱۳۶

[3] التاریخ الکبیر ج۳ ص۱۴۴ ح۴۸۷؛ فتح الباب في الكنى والألقاب ح۲۱۳۶؛ کتاب الأسامی والکنی لأبي أحمد الحاکم الکبیر ج۳ ص۵۲

اشھل کہتے ہیں، ہم نے سنا ابن عون سے، مجھے محمد بن سرین نے حکم دیا کہ میں پوچھوں خالد بن الحویرث سے اس بارے میں کہ عبداللہ بن عمروؓ نے بادشاہ کے بارے میں کیا کہا ہے؟

بادشاہ سے مراد یہاں یزید ہے اور کسی نے بھی خالد بن حویرث پر رد نہیں کیا اس روایت کو بیان کرنے پر۔

۵: خالد بن الحویرث مکی

امام ابنِ حبّانؒ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے[1]۔

علامہ ہیثمیؒ کہتے ہیں:

والظاهر أنه خالد بن الحويرث وهو ثقة[2].

امام ذہبیؒ کہتے ہیں:

خالد بن الحويرث، قال إبن معين: لا أعرفه، صدوق، وذكره إبن حبان في ثقات[3].

---

[1] کتاب الثقات ج ۴ ص ۱۹۸

[2] مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۲ ص ۱۴۲

[3] المغني ج ۱ ص ۲۹۵ ح ۱۸۴۰

کچھ کے ہاں خالد بن الحویرث مجھول ہے امام ابن معینؒ کے قول کی وجہ سے لیکن دیگر علماء کی تعدیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ راوی کم سے کم صدوق درجہ کا ہے یہی وجہ سے ذہبیؒ نے امام ابن معین کے قول کی تردید کی ہے اور قرائن بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

امام ابن سیرینؒ نے ان سے رویت کیا ہے اور وہ ثقہ سے بیان کرتے ہیں یہ بھی ایک دلیل ہے جس کے تحت اس راوی کو قابل اعتماد سمجھا جاسکتا ہے، امام ابو احمد الحاکمؒ کہتے ہیں:

روي عنه أبو بكر مُحَمَّد بن سيرين الانصاري[1].

حافظ ابن عبد البرؒ کہتے ہیں:

أجمع أهل العلم بالحديث أن ابن سيرين أصح التابعين مراسل وأنه كان لا يروي ولا يأخذ إلا عن ثقة وأن مراسله صحاح كلها[2].

وہ لوگ جو حدیث کے بارے میں علم رکھنے والے ہیں، وہ اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ ابن سرین کی مراسیل تابعین میں صحیح ترین ہیں، اور وہ نہیں روایت کرتے تھے اور نہ ہی اخذ کرتے تھے سوائے کسی ثقہ سے، اور ان کی تمام مراسیل صحیح ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں:

صحح ابن عبد البر مراسيل مُحَمَّد بن سيرين قال: لأنه كان يتشدد في الأخذ ولا يسمع الا من ثقة[3].

---

[1] الأسامی والکنی لأبي أحمد الحاکم الکبیر ج ۳ ص ۵۲

[2] التمہید ج ۸ ص ۳۰۱

[3] النکت علی کتاب ابن الصلاح ج ۲ ص ۵۵۷

امام علائیؒ کہتے ہیں:

وذكر ابن أبي خيثمة عن يحيى بن معين أنه قال: إذا روى الحسن ومُحَمَّد– يعني ابن سيرين– عن رجل وسمياه فهو ثقة[1].

اس کے علاوہ بھی جید محدثین نے ان کی روایت کی تصحیح کی ہے جن میں حاکمؒ،امام ضیاء مقدسیؒ، بوصیریؒ اور حافظ یوسف صالحیؒ[2] شامل ہیں۔

تابعین کرامؒ کا مؤقف

تابعینؒ کے حوالے سے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ کسی بھی معتبر تابعی سے یزید کی تعدیل مروی نہیں ہے، جب کہ اس کے برعکس تابعین کی ایک جماعت یزید کے خلاف نکلی، جن کی ایک لمبی فہرست تیار کی جاسکتی ہے۔

کیا محمد بن حنفیہؒ سے مدح ثابت ہے؟

سنابلی صاحب نے ابن حنفیہؒ کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے۔امام ذہبیؒ بسند نقل کرتے ہیں:

محمد بن حنفیہ نے کہا: "اسے مجھ سے کیا خوف تھا یا مجھ سے کیا چاہتا تھا کہ اسے میرے سامنے نیکی ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آتی؟ کیا تم لوگ شراب پینے کی جو

---

[1] جامع التحصیل ص ۹۰

[2] سبل الھدی والرشاد في سیرۃ خیر العباد ج ۱۰ ص ۸۹، حافظ صالحیؒ نے سند کو جید کہا ہے۔

بات کرتے ہو اس بات سے خود یزید نے تمہیں آگاہ کیا؟ اگر ایسا ہے تو تم سب بھی اس کے گناہ میں شریک ہو، اور اگر خود یزید نے تمہیں یہ سب نہیں بتایا ہے تو تمہارے لئے جائز نہیں کی ایسی بات کی گواہی دو جس کا تمہیں علم ہی نہیں[1]۔

اس کی سند میں انقطاع ہے۔اس روایت پر سنابلی صاحب نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ روایت مدائنیؒ کی کتاب سے نقل کی گئی ہے اور مدائنیؒ کثیر کتب کے مصنف تھے۔

جواب

ایسی کتب سے نقل کرنا جو مفقود ہو چکی ہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ کم از کم کتاب معتبر علماء میں مشہور رہی ہو یا تصریح مل جاے کہ ناقل کے پاس وہ کتاب موجود ہے۔ یہ روایت کتاب سے ہی منقول ہے اس کا علم نہ ہو سکا چوں کہ امام ذہبیؒ نے بھی "کتاب الحوہ" کا تذکرہ مدائنیؒ کے ترجمہ میں نہیں کیا اور نہ ہی نقل کرتے ہوئے کتاب کا نام ذکر کرتے ہیں۔اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام ذہبیؒ کے پاس ان کی یہ کتاب تو بالکل بھی موجود نہیں تھی۔اس لیے ضروری ہے کہ مدائنی تک متصل سند ہو یا پھر کتاب کا مشہور ہونا ثابت ہو... اس وقت تک یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔

بالفرض یہ روایت ثابت بھی ہو تو یہ کہنا کہ مدینہ کے اکابر صحابہ وتابعین جن مین معقلؓ بن سنان، عبداللہؓ بن حنظلہ، عبداللہؓ بن مطیع، عبداللہ بن عمر بن حزمؒ، منذر بن زبیرؒ، عباس بن سہلؒ وغیرہ جو جلیل قدر علما تھے سب کے سب بلاوجہ خروج کے لیے تیار ہو گئے تھے تو یہ

[1] تاریخ الاسلام للذھبی ت تدمیری ج ٤ ص ٢٧٤

ماورائے عقل بات ہے، خود اکابر صحابہ کا عمل دلیل ہے کہ ان کے سامنے حقائق بالکل واضح تھے اور انہیں یقین تھا جس کے باعث ہی وہ یزید سے سخت متنفر ہو گئے تھے۔ابن حنفیہؒ کا انکار کافی نہ تھا ان حضرات کے یقین کو رد کرنے کے لیے، اور عملِ اہل مدینہ خود ایک مضبوط دلیل ہے یزید کے فسق کو ثابت کرنے کے لیے اس کے خلاف ظنی باتیں پیش کرنا کہ یہ لوگ باتوں میں آ گئے تھے اور غلط فہمی ہو گئی تھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور یہ ایک اکیلی روایت بھی کچھ فرق نہیں ڈال سکتی اگر ثابت بھی ہو جائے چوں کہ محمد بن حنفیہؒ کچھ عرصہ یزید کے پاس رہے انہیں دھوکے میں لانا اور اپنی ساخت بحال کرنا کوئی مشکل نہیں تھا جب کہ اس کے مخالف وفد مدینہ کے متعلق خیال کرنا کہ یہ سب نامعلوم افراد کی باتوں میں آ گئے سطحی بات سے کم نہیں ہے بعض روایات میں آتا ہے کہ یزید نے وفد مدینہ کو انعام واکرام سے بھی نوازا تھا یہ سیاسی حربے اکابر صحابہ پر نہ چل سکے۔

یزید کا امام زین العابدینؒ سے حسن سلوک!

سنابلی صاحب نے امام زین العابدینؒ کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ان کے ساتھ جب یزید کا رویہ شفیق تھا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اہل بیت کو ایذاء پہنچائے۔

امام ذہبیؒ کہتے ہیں:

وقال المدائني، عن إبراهيم بن محمد، عن عمرو بن دينار: حدثني محمد بن علي بن الحسين، عن أبيه قال: لما قتل الحسين دخلنا الكوفة، فلقينا رجل، فدخلنا منزله فألحفنا، فنمت، فلم أستيقظ إلا بحس الخيل في الأزقة، فحملنا إلى يزيد، فدمعت عينه حين رآنا،

وأعطانا ما شئنا، وقال لي: إنه سيكون في قومك أمور، فلا تدخل معهم في شيء، فلما كان من أهل المدينة ما كان، كتب مع مسلم بن عقبة كتابا فيه أماني، فلما فرغ مسلم من الحرة بعث إلي، فجئته وقد كتبت وصيتي، فرمى إلي بالكتاب، فإذا فيه: استوص بعلي بن الحسين خيرا، وإن دخل معهم في أمرهم فأمنه واعف عنه ، وإن لم يكن معهم فقد أصاب وأحسن[1].

امام زین العابدینؒ کے ساتھ یزید کے حسن سلوک پر جو روایت سنابلی صاحب نے پیش کی ہے اس میں بھی وہی علتیں ہیں، جو محمد بن حنفیہ والی روایت میں ہے، مزید یہ روایت ایک صحیح روایت کے بھی خلاف ہے، جس میں واضح ہے کہ یزید خبیث نے امام حسینؑ کے سر انور کی توہین کی، جو کہ ذکر ہو چکی ہے اس لیے ایک متصل صحیح روایت کی روشنی میں یہ روایت مردود ہے۔ پھر اس روایت کی سند میں مدائنی کے استاد محمد بن إبراہیم کے تعین پر ہمیں کوئی واضح دلائل نہیں مل سکے۔ ایک محقق کی کتاب کے حوالے کے علاوہ کوئی معقول دلیل سنابلی صاحب نے نہیں دی تو اس پر یہی مطالبہ ہے کہ اس روایت میں راوی إبراہیم بن محمد کا تعین دلائل سے کریں۔ چوں کہ اس دور میں دو ''إبراهيم بن مُحَمَّد'' تھے۔ امام ذہبیؒ کہتے ہیں :

---

[1] تاریخ الإسلام للذھبی ط بشار ج ۲ ص ۵۷۸

إبراهيم بن محمد بن علي بن عبد الله بن جعفر بن أبي طالب الهاشمي الجعفري .روى عن: أبيه وعنه :سعد بن زياد ، و يعقوب بن عبد الرحمن الإسكندري، وسفيان بن عيينة،وغيرهم[1].

اور دوسرے راوی یہ ہیں:

إبرا هيم بن مُحَمَّد بن علي بن عبد الله بن عباس بن عبد المطلب، المعروف به إبرا هيمالإمام، أخو السفاح والمنصور، يكنى أبا إسحاق .روى عن:أبيه، وجده، وعن عبد الله بن محمد ابن الحنفية، روى عنه: أخواه، وأبو مسلم صاحب الدولة[2].

اسی دور میں تیسرے راوی جن سے سماع ممکن ہو سکتا ہے، امام ذہبیؒ کہتے ہیں:

إبرا هيم بن مُحَمَّد بن المنتشر بن الأجدع، ثقة زاهد جليل.روى عن: أبيه. وعنه: شعبة، وسفيان، وأبو عوانة،وآخرون[3].

یہ تینوں راویان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، سنابلی صاحب نے صرف ایک راوی کا تعین کیسے کر لیا ہے؟ ان کے پاس کیا دلیل ہے کہ سند میں إبراہیم بن محمد الھاشمی الجعفری ہیں؟ جب کہ ان کے دور کے ایک راوی "إبراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ابواسحاق" بھی ہیں مزید یہ بھی معلوم نہیں کہ مدائنیؒ کا ان سے سماع بھی ہے یا نہیں کیوں کہ مدائنیؒ کی

---

[1] تاریخ الإسلام للذھبی ط بشار ج ۳ ص ۶۰۸

[2] ایضا

[3] تاریخ الإسلام للذھبی ط بشار ج ص ۸۱۱

ولادت ۱۳۵ھ کے قریب ہے جب کہ ان دونوں روایان کی وفات ۱۳۰ ہجری سے ۱۴۰ ہجری کے درمیان ہے، تو سنابلی صاحب إبراہیم بن محمد کا تعین دلیل سے کریں۔ اس وقت تک یہ روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔ اس روایت سے ایک بات اور بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر مسلم بن عقبہ کو امام زین العابدینؒ کے ساتھ رعایت کا حکم تھا تو اس کے علاوہ باقی تمام صحابہ کے بارے میں یہ بھی حکم تھا کہ انہیں شہید کر دیا جائے...!

امام زین العابدینؒ کہتے ہیں:

انهم حين قدموا المدينة من عند يزيد بن معاوية مقتل حسين بن علي رحمة الله عليه لقيه المسور بن مخرمة، فقال له: هل لك إلي من حاجة تامرني بها، فقلت له: لا، فقال له: فهل انت معطي سيف رسول الله ﷺ فإني اخاف ان يغلبك القوم عليه وايم الله لئن اعطيتنيه، لا يخلص إليهم ابدا حتى تبلغ نفسي[1].

جب ہم سب حضرات حسین بن علیؓ کی شہادت کے بعد یزید بن معاویہ کے یہاں سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو مسور بن مخرمہؓ نے آپ سے ملاقات کی، اور کہا اگر آپ کو کوئی ضرورت ہو تو مجھے حکم فرما دیجیے۔ میں نے کہا، مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر مسورؓ نے کہا تو کیا آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی تلوار عنایت فرمائیں گے؟ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کچھ لوگ (بنو امیہ) اسے آپ سے نہ چھین لیں اور اللہ کی

[1] صحیح بخاری ح ۳۱۱۰

قسم! اگر وہ تلوار آپ مجھے عنایت فرمادیں تو کوئی شخص بھی جب تک میری جان باقی ہے اسے چھین نہیں سکے گا۔

یہ روایت اس ماحول کی عکاسی کرتی ہے کہ اہل بیت کے محبین بنو امیہ کے رویے سے مطمئن نہیں تھے۔اور جب سیدنا حسینؓ کو شہید کر دیا گیا تو اس کے بعد حسن سلوک پر کیا بحث کی جائے۔

اقوالِ سلف

سلف کے اقوال تو واضح ہیں کہ یزید کسی بھی اعتبار سے لائق تحسین نہیں ہے۔ اگر محدثین و فقہائے اہل سنت کے اقوال جمع کرنا شروع کیے جائیں، تو یہی الگ سے ایک کتابچہ بن جائے گا، اس لیے ہم انہی اقوال تک رہیں گئے، جہاں تک سنابلی صاحب نے استدلال کیا ہے۔

امام لیث بن سعدؒ (م ۱۷٤ھ) کا موقف

سنابلی صاحب نے لیث بن سعدؒ سے تعدیل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور ایک روایت نقل کی ہے جس میں لیث بن سعدؒ نے یزید کو اُمیر المومنین کہا ہے۔ ہم ماقبل دلائل دے چکے ہیں کہ لیث تو کیا امام ابن کثیرؒ بھی اُمیر المومنین کہتے ہیں اور پھر جرح کرتے ہیں۔اس روایت سے ابو بکر بن العربی نے استدلال کیا ہے، لیکن ان کا استدلال کوئی مضبوط

نہیں ہے۔ خیر لیث بن سعد واقعہ کربلا کو کیسے دیکھتے ہیں، اس کا جائزہ لے لینا چاہیے، امام طبرانیؒ کہتے ہیں :

حدثنا أبو الزنباع روح بن الفرج المصري ، ثنا يحيى بن بكير ، حدثني الليث ، قال : أبي الحسين بن علي رضي الله عنهما أن يستأسر ، فقاتلوه فقتلوه ، وقتلوا ابنيه وأصحابه الذين قاتلوا منه بمكان يقال له الطف ، وانطلق بعلي بن حسين ، وفاطمة بنت حسين ، وسكينة بنت حسين إلى عبيد الله بن زياد ، وعلي يومئذ غلام قد بلغ ، فبعث بهم إلى يزيد بن معاوية، فأمر بسكينة فجعلها خلف سريره لئلا ترى رأس أبيها وذوي قرابتها ، وعلي بن الحسين رضي الله عنهما في غل ، فوضع رأسه، فضرب على ثنيتي الحسين ﷺ ، فقال نفلق هاما من رجال أحبة إلينا وهم كانوا أعق وأظلما فقال علي بن الحسين ﷺ : ما أصاب من مصيبة في الأرض ولا في أنفسكم إلا في كتاب من قبل أن نبرأها إن ذلك على الله يسير . فثقل على يزيد أن يتمثل ببيت شعر ، وتلا علي آية من كتاب الله عز وجل ، فقال يزيد : بل بما كسبت أيديكم ويعفو عن كثير . فقال علي ﷺ : " أما والله لو رآنا رسول الله ﷺ مغلولين لأحب أن يخلينا من الغل". قال : صدقت ، فخلوهم من الغل . قال : " ولو وقفنا بين يدي رسول الله ﷺ على بعد لأحب أن يقربنا " . قال : صدقت ، فقربوهم . فجعلت فاطمة وسكينة يتطاولان لتريا رأس أبيهما ، وجعل يزيد

يتطاول في مجلسه ليستر عنهما رأس أبيهما ، ثم أمر بهم فجهزوا ، فأصلح إليهم ، وأخرجوا إلى المدينة[1].

حضرت لیثؒ فرماتے ہیں: کہ حضرت حسین ابن علیؑ نے لڑنے سے انکار کیا تھا، آپ لڑے اور شہید ہو گئے، آپ کے بیٹے اور ساتھی جس جگہ شہید ہوئے اُسے عطف کہا جاتا تھا۔ حضرت علی بن حسین، فاطمہ بنت حسین اور سکینہ بنت حسین کو عبید اللہ ابن زیاد کے پاس بھیجا گیا۔ حضرت علی بن حسین بلوغت کے قریب تھے، ان کو عبید نے یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا... سکینہ کے متعلق حکم دیا کہ ان کو پردہ کے پیچھے کروں گا کہ اپنے والد کا سر نادیکھیں اور اپنے قریبیوں کو۔ حضرت علی بن حسین کو زنجیریں پہنائی گئیں تھیں۔ یزید نے آپ کا سر رکھا اور آپ کے ہونٹوں پر مارا اور کہا: ہم ان لوگوں کے سر پھوڑتے ہیں جو ہمیں پیارے ہیں، لیکن وہ نافرمان اور ظالم ہیں۔ حضرت علی بن حسین نے فرمایا: "نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نا تمہاری جانوں میں مگر وہ کتاب میں قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں، بے شک اللہ پر یہ آسان ہے۔" یہ یزید پر یہ آیت بھاری گزری۔ شعر پڑھنے سے پہلے علی بن حسین نے قرآن کی آیت تلاوت کی۔ یزید نے کہا: "بل کہ جو تمھارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت زیادہ معاف کرتا ہے۔ حضرت حسین بن علی نے فرمایا: "اگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں زنجیروں کی حالت میں دیکھتے تو زنجیریں

[1] المعجم الکبیر للطبرانی ج ۳ ص ۱۰۴ ح ۲۸۰۶ ،اسنادہ صحیح إلی اللیث

کھولتے۔" یزید نے کہا: "سچ کہا!" آپ کی زنجیریں کھول دی گئیں۔ حضرت علی بن حسین نے فرمایا: "اگر نبی مکرم ﷺ کے آگے کھڑے ہوتے تو ہمیں قریب کرنا پسند کرتے۔" یزید نے کہا: "آپ نے سچ کہا...!" ان کو قریب کیا گیا، حضرت فاطمہ اور سکینہ امام حسینؓ کے سر کو دیکھنے کے لیے آگے بڑھنے لگیں، یزید مجلس میں آگے ہونے لگا، تاکہ آپ کے سر کو ان سے چھپائے۔ پھر اس نے حکم دیا کہ ان کا سامان تیار کیا جائے اور ضروری انتظامات کیے اور انہیں واپس بھیج دیا ۔

یہ روایت منقطع کہہ کر تو رد کی جاسکتی ہے، لیکن یہ تاریخ اسلاف کے ہاں معتبر ہے اور ایسے ہی ہے جیسے لیثؒ نے بیان کیا اور لیثؒ کے ہاں یزید اگر "امیر المومنین" ہے تو گستاخِ اہل بیت بھی ہے۔ اگر ابو بکر بن العربی تک یہ دلائل پہنچتے تو وہ کبھی نا کہتے جو انہوں نے لیث کے تعلق سے رائے قائم کی ہے فتدبر۔

امام احمد بن حنبلؒ کا مؤقف

سنابلی صاحب نے اسلاف میں سے امام احمدؒ کے موقف کی بھی غلط ترجمانی کی ہے، ان کے واضح قول کے معنی اپنی مرضی سے "تخلیق" کیے ہیں۔ اور ایک واضح قول کو ایک مبہم قول سے مرجوح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، امام خلالؒ کہتے ہیں:

أخبرني مُحَمَّد بن علي قال ثنا مهنى قال سألت أحمد عن يزيد بن معاوية بن أبي سفيان قال هو فعل بالمدينة ما فعل قلت وما فعل قال قتل بالمدينة من أصحاب النبي وفعل قلت وما فعل قال نهبها قلت

فيذكر عنه الحديث قال لا يذكر عنه الحديث ولا ينبغي لأحد أن يكتب عنه حديثا قلت لأحمد ومن كان معه بالمدينة حين فعل ما فعل قال أهل الشام قلت له وأهل مصر قال لا إنما كان أهل مصر معهم في أمر عثمان رحمه الله[1].

مہنی بن یحیی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے یزید بن معاویہ کے بارے میں پوچھا توانہوں نے کہا: "وہ وہی ہے جس نے مدینہ میں وہ کیا جو کیا۔" میں نے پوچھا: "کیا کیا؟" توانہوں نے کہا: "مدینہ میں متعدد صحابہ کو قتل کیا... اور بھی کیا۔" میں نے کہا: "اور کیا کیا؟" توانہوں نے کہا: "مدینہ میں لوٹا۔" میں نے کہا: تو کیا اس سے حدیث بیان کی جائے؟ انہوں نے کہا: اس سے حدیث بیان نہ کی جائے اور کسی کے لیے مناسب نہیں کہ اس سے حدیث لکھے۔ میں نے امام موصوف سے کہا: "اس وقت مدینہ میں اس کے ساتھ کون لوگ تھے، جب اس نے مدینہ میں وہ کیا جو کیا؟" انہوں نے کہا: "اہلِ شام تھے۔ میں نے کہا: "اور اہلِ مصر؟" "انہوں نے کہا: "نہیں، مصر والے تو عثمانؓ کے معاملے میں ان کے ساتھ تھے۔

اس واضح قول کو تشریح کی حاجت نہیں ہے، امام احمد نے یزید کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے صحابہ کرام کے قتل کا اور ظلم و بربریت کا...! جب کہ اس کے برعکس حامیانِ یزید دوسرے قول سے استدلال کرتے ہیں، جو اس قول کے مقابلے میں ایک غیر واضح ہے، جس کی تشریح

---

[1] السنۃ للخلال ح ۸٤٥، وسندہ صحیح

فریقین اپنے لحاظ سے کرتے ہیں۔ البتہ اس قول کو سامنے رکھ کر دوسرے قول کی تشریح کی جائے تو یہ بھی یزید کی مدح پر بالکل نہیں ہے۔ خلالؒ کہتے ہیں:

أخبرني أحمد بن محمد بن مطر، وزكريا بن يحيى، أن أبا طالب حدثهم قال: سألت أبا عبد الله: من قال: لعن الله يزيد بن معاوية؟ قال: لا أتكلم في هذا "، قلت: ما تقول؟ فإن الذي تكلم به رجل لا بأس به، وأنا صائر إلى قولك. قال أبو عبد الله: قال النبي صلى الله عليه وسلم:لعن المؤمن كقتله وقال:خيرالناس قرني، ثم الذين يلونهم، وقد صار يزيد فيهم، وقال:من لعنته أو سببته فاجعلها له رحمة ، فأرى الإمساك أحب لي[1].

مجھے احمد بن محمد بن مطر اور زکریا بن یحیی نے خبر دی کہ ابو طالب نے انہیں بیان کیا کہ میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا کہ "اگر کوئی شخص کہے کہ یزید بن معاویہ پر اللہ تعالی کی لعنت ہو۔" تو انہوں نے فرمایا: **"میں اس بارے میں کلام نہیں کرتا۔"** تو میں نے پوچھا: "آپ کا قول کیا ہے؟ کیوں کہ اس بارے میں جس نے کلام کیا ہے وہ ایسا شخص ہے جس میں کوئی خرابی نہیں لیکن میں آپ کا قول اپنانا چاہتا ہوں۔

تو ابو عبداللہ نے فرمایا: "نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ مومن پر لعنت اس کو قتل کرنے کی طرح ہے "اور فرمایا: "بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں،

---

[1] السنۃ للخلال ح ٨٤٦

پھر وہ لوگ جو اس کے نزدیک زمانے کے ہیں، اور یزید بھی انہیں میں سے ہے۔"اور فرمایا: (اے اللہ) جس کو میں بد دعادوں یا برا بھلا کہوں تو وہ اس کے لئے رحمت بنادے، میں اس معاملے میں اپنے آپ کو روکنا پسند کرتا ہوں۔

ابو طالب عکبری نے جب یہ پوچھا کہ ایک معتبر شخصیت تو لعنت کے جواز کے قائل ہے تو آپ کیا کہتے ہیں؟ تو امام احمد بن حنبل نے جواب میں نہ برہمی کا اظہار کیا نہ ہی فضائل یزید سنائے اور نہ ہی رد کرنے کی طرف گئے۔ کیوں جناب! ایک صالح اور عادل خلیفہ کے متعلق اتنا غیر ذمہ دارانہ رویہ کیوں رکھا امام ابن حنبل نے؟ آپ تو جواب دیتے ہیں لیکن ابن حنبلؒ نہیں دیتے! جو امام ابن معین کو جواب دیتے تھے، جب امام ابن معین امام شافعی کے متعلق کوئی سخت رائے پیش کرتے، لیکن یہاں امام احمد بالکل خاموش ہو گئے!

امام احمد بن حنبلؒ نے مکمل خاموشی اختیار کی، لیکن جب ان سے خصوصاً لعنت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے احادیث رسول بیان کر دیں اور آخر میں یوں فرمادیا کہ میں اس سے اپنے آپ کو روکتا ہوں یعنی واضح ہے امام احمد بن حنبلؒ لعنت ملامت کے قائل نہیں تھے، بل کہ احتیاط کرتے تھے اور اپنے آپ کو اس معاملے میں روکتے تھے۔ پھر سنابلی صاحب نے بلا وجہ ہی رجوع بناڈالا ہے اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز بات کیا ہو گی؟ یعنی امام احمد نے پہلے یزید پر اعتراض کیا اور رجوع کرتے ہوئے یہ رائے بنائی کہ وہ تو تابعینؒ کے دور کا ہے، اس لیے ہمیں خاموش رہنا چاہیے یعنی امام احمد کی تحقیق میں پہلے یزید تابعی نہ تھا؟ بالکل ہی عجیب و غریب قسم کا استدلال ہے، اس پر حنابلہ کے امام ابن جوزی کی رائے بھی دیکھ لینی چاہیے۔

امام ابن جوزیؒ کہتے ہیں:

یہ روایت پہلی روایت کے خلاف نہیں اس لیے کہ یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انسان ذکرِ غیر سے عافل ہو کر اپنے آپ میں مشغول رہے اور پہلی روایت جوازِ لعنت پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ ہم نے تسبیح کے متعلق کہا کہ ابلیس پر لعنت کرنے کے بجاے اللہ کی تسبیح کرنا بہتر ہے۔اور معلوم ہونا چاہیے کہ امام ابو بکر خلالؒ اور ان کے صاحب عبد العزیزؒ، قاضی ابو یعلیٰؒ اور ان کے بیٹے ابوالحسینؒ، مسلکِ امام احمد بن حنبلؒ کو تم سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ ہم ان کی روایات و اخبار کو بیان کر چکے ہیں۔اگر تو ان کو نہیں سنتا تو خود ان کی کتابوں کو دیکھ،اور وہاں ان کی روایات دیکھ۔ سن لے تجھے وہاں جوازِ لعنت کا مسئلہ مل جائے گا[1]۔

سنابلی صاحب نے رجوع ثابت کرنے کے لیے جو دلائل نقل کیے ہیں ذرا ان کی طرف بھی نظر کر لینی چاہیے۔

سب سے پہلے محقق صاحب نے روایتی بغض نکالا ہے اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ پر امام احمد بن حنبلؒ سے جرح نقل کی ہے، جس کی کوئی معقول وجہ ہمیں معلوم نہ ہو سکی۔البتہ ہم تو امام ابو حنیفہؒ کی تعدیل امام احمد بن حنبلؒ کے مقابلے میں ان سے بہتر علماء سے نقل کر دیں گے، لیکن یہ چیز خارج از بحث ہے۔ دوسری طرف سنابلی صاحب یزید کے متعلق ایک بھی تعدیلی قول پیش کرنے سے قاصر رہے۔ پھر اس کے بعد سنابلی صاحب نے دکتور محمد بن

[1] الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید ص ۷۳

عبدالہادی کا قول نقل کیا ہے، جو کہ معاصر علماء میں سے ہیں چناں چہ حجت نہیں ہیں اور سنابلی صاحب جیسے نظریات بھی رکھتے ہیں تو ایسی صورت میں ان کے قول کی کیا اہمیت ہو گی؟ یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ الغرض امام احمدؒ کی جرح اپنی جگہ قائم ہے، اور ان کا لعنت سے رکے رہنا ان کی کمال احتیاط کی نشانی ہے۔

اس کے علاوہ دکتور محمد بن عبدالھادی نے جو عبارت نقل کی ہے، وہ معروف نسخوں میں موجود نہیں ہے... لیکن جس کا حوالہ انہوں نے دیا ہے اس کے تحت یہ امام احمدؒ کے عقائد نقل کرنے والے ابو محمد رزق اللہ بن عبدالوھاب التمیمی ہیں۔ جن کی ولادت ٤٠١ ھ ہے، پس یہ بسند تو امام احمدؒ سے ثابت نہیں ہے البتہ اس میں بھی بس اتنا ملتا ہے کہ امام احمدؒ اس بارے مین سکوت کرتے تھے اس سے آگے لکھتے ہیں:

وأختلف اصحبنا فيه: من جوز ذمه، لإن أخاف المدينة، و قد لعن النبي من أخاف المدينة ومنهم:من توقف عن ذلك[1].

اس میں ہمارے اصحاب میں اختلاف ہو گیا، ایک گروہ اس کی مذمت کرتا ہے کیوں کہ اس نے اہل مدینہ کو ڈرایا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مدینہ کو ڈرانے والوں پر لعنت کی ہے۔ جب کہ ایک طبقہ اس سے سکوت کرتا ہے۔

یعنی اصحاب امام احمد کے ہاں بھی دو گروہ تھے ایک لعنت کرنے والا اور ایک اس سے رکنے والا... لیکن مدحہ کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ اس سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ سنابلی

[1] طبقات الحنابلۃ ط السنۃ المحمدیہ ج ٢ ص ٢٧٣

صاحب کو امام احمدؒ کے قول کو سمجھے میں غلطی ہوئی ہے، چوں کہ ان کی تشریح کے مطابق ایک گروہ حنابلہ میں تعریف کرنے والا بھی ہونا چاہیے تھا۔ جب یہ معلوم ہو چکا کہ یہ امام احمد بن حنبلؒ کا آخری قول نہیں تھا تو پھر ایسا کوئی میزان نہیں ہے جس کے تحت ایک قول کو قدیم اور ایک کو جدید ٹھہرایا جائے... اگر یہ مخالف ہیں تو ایک قول شاذ قرار دیا جائے گا اور مہنی بن یحیی ،ابو طالب سے اُوثق راوی ہیں ان کی توثیق میں آئمہ کی ایک جماعت ہے جب کہ ابو طالب کے متعلق صرف صالح ہونے کی تعدیل ملتی ہے۔ اور اگر ان میں تطبیق دی جاسکتی ہے تو ہمارے ذکر کردہ قول کے تحت ہی اس قول کی منشأ سمجھی جائے گئی۔ چوں کہ مہنیؒ بن یحیی کا نقل کردہ قول زیادہ واضح ہے۔ ان اقوالات کے علاوہ متاخر علماء کے اقوال نقل کیے گئے ہیں جو کہ غیر مسموع ہیں۔

خاتمہ

اس کتاب میں ہمارا مقصد "واقعہ کربلا" کے حوالے سے اول مصادر سے استدلال کر کے علمأ کے مؤقف کو دلائل سے ثابت کرنا تھا چوں کہ ایک عرصہ سے ایک گروہ کی جانب سے یہی اعتراض تھا کہ اہل تسنن کا مؤقف مضبوط بنیادوں پر نہیں اسی لیے ہم نے صرف مضبوط اسناد سے ہی اس واقعے کا اثبات کیا ہے۔ اور ان حضرات کے کمزور مؤقف کو واضح کیا ہے۔ اللہ ہمیں نبی مکرم ﷺ کے اہل بیت و صحابہ کرام کی غلامی میں زندہ رکھے اور بروز قیامت انہیں ہستیوں کا ساتھ نصیب ہو۔ آمین